دربار قادریہ فاضلیہ

کا

قرطاسُ التّعَارُف

مع

کِرن ہائے بدر

حسب الارشاد

سیّد الطاف محیُ الدّین قادری

سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف)

فاضلیہ کالونی، رُومی روڈ۔ لاہور (پاکستان)

فہرست

قرطاس التعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ

فنِ تاریخ کی فضیلت کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون نے فنِ عزیزا المذہب جم الفوائد شریف الغایت لکھا ہے۔ علامہ موصوف فنِ تاریخ کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں۔ موصوف نے فن کی تاریخ کی فضیلت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فنِ تاریخ کی وساطت سے امم کے اخلاق اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ملوک کی سیاست سے آگاہی ہو جاتی ہے اور اس آگاہی سے دنیا اور دین کے امور میں انسان مستفید ہوتا ہے۔ یہ بدیہی ہے کہ دین کے امور میں فنِ تاریخ سے استفادہ انبیاء علیہم السلام اور روحانی شخصیت کے ادراک و تعارف کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ ماضی کے امم اور ملوک کی تاریخ کی آگاہی سے استفادہ دنیا کے امور تک محدود ہے۔ مگر انبیاء اور روحانی شخصیات کی سیرت کا علم وہ استیلاء حذق عطا کر دیتا ہے جو مدارک حبِّ الٰہی کے لیے نہایت مؤثر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا۔ (مومنین باصفا کو حب اللہ کی نشانیاں آیات سنائی جائیں تو ان کے ایمان (حبِّ الٰہی) میں اور بھی ترقی ہو جاتی ہے)۔

قدسی لوگ اللہ کی آیات ہیں اور قدسی لوگوں کے اخلاق و اطوار زندگی بھی آیاتِ الٰہیہ ہیں۔ اور حبِّ الٰہی سے دین کے امور کے علاوہ دنیا کے جن امور کی مشاکلی بھی میسر آ جاتی ہے۔ اسلام کی روحانی شخصیات کی تاریخ و سیرت کی کتابیں عموماً نا مکمل ہیں۔ الحمد للہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر مکمل ترین تصانیف موجود ہیں مگر عارفین صالحین کی تاریخی مبسوط کتابیں نادر الوجود ہیں۔ اس ہی لیے اس قرطاس التعارف میں تاریخی معلومات کی تفصیل کی تنگ دامانی کا اثر موجود ہے۔

یہ قرطاس تعارف فواد العارفین، رشد السالکین، زبدۂ اولیاء اور عمدۂ اصفیاء اور جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوی درجات صوری و معنوی فروغ بخش شریعت، ضیا افزائے شرفِ حقیقت، بریق العلم والبراعت الادیب الالمعی ربیعِ القلوب انشفار الصدور اسرارِ ولایت کے مفکرِ عظیم اور یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے خزائن کی حفاظت کرنے والے تطہیرِ فکر تعمیر و تصفیۂ فکر کی کشادہ راہیں دکھانے والے قطبِ طریقت علامہ حضرت اعلیٰ سیّد ابو الفرح محمد فاضل الدین قادری (رضوان اللہ علیہم) کے مختصر تعارف کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔

سال ۱۸۸۰ھ میں حضرت اعلیٰ سید ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری (رضوان اللہ علیہ) بمقام نور (چک قاضی) تحصیل شکرگڑھ ضلع سیالکوٹ (مغربی پاکستان) پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ اور لاہور کی ان درسگاہوں سے اکتساب علوم کیا جو اُس زمانے میں اعذب المناہل (نہایت شیریں چشمہ) تصوّر کئے جاتے تھے۔ سیالکوٹ کے علامہ عبدالحکیمؒ کی قائم کردہ درسگاہ اس ہی سلسلہ میں قابلِ ذکر ہے۔ حضرت سیّد ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری رضوان اللہ علیہ کی جودتِ طبع اور محنت و رغبت نے کمالاتِ علمی کے اکتساب میں آپ کی یہاں تک مساعدت کی کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی کثرت مطالعہ میں آپ کو غیر معمولی شغف رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ایک بار اللہ کریم سے عرض کی ای عبادك اعلم تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عالم کون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عالم غرثان العلم (وہ عالم جو علم کا بھوکا ہو) اس ہی نظریہ کی عکاسی عارف رومیؒ کی مثنوی میں بھی موجود ہے ؎

بحرِ بے پایاں بود عقلِ بشر
بحر را غواص باید اے پسر

چنانچہ حضرت اعلیٰ رضوان اللہ علیہ کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ

آپ اس زمانے کے اعلم العلماءٔ تھے

حضرت اعلیٰ تعلیم سے فراغت پا کر اپنی خاندانی روایات کے مطابق مغلیہ حکومت میں مناسب منصب حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کے والد محترم ابوالحسن جناب سید عنایت اللہ اس وقت کی حکومت کے دَور میں عدلیہ کے معزز ترین منصب پر فائز تھے اور جاگیردار تھے۔ اعزاز خان بہادر سے مفتخر کئے گئے ہوئے تھے۔ آپ کا خاندان نسبی لحاظ سے گیلانی سید ہے۔ یعنی حضور غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد ہے۔

آغا سیّد بدیع الدین شہید اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سلف صالحین سب سے پہلے بزرگ ہیں جو عہد ہمایوں میں برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے تھے اور آغا سید بدیع الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس عہد میں مغلیہ حکومت میں فوج کا نہایت ممتاز منصب دیا گیا تھا اور آغا سید بدیع الدین سیالکوٹ کے اس علاقہ میں اقامت فرما ہو گئے جو آجکل تحصیل شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ مغربی پاکستان میں ہے اس علاقہ میں آپ کو حکومت نے وسیع جاگیرداری بھی دی ہوئی تھی۔ جہاں آپ کی اولاد امجاد آباد ہے چنانچہ حضرت اعلیٰ کے اسلاف دنیوی عناصر سے شاد اور سربلند عزت و اقتدار کی زندگی بسر کرتے رہے اور ان کے مفاخر کا شرف تاریخی کتابوں میں روشن چلا آتا ہے

اندریں حالات حضرت اعلیٰ کا خاندانی ورثہ شرافت و نجابت آپ کی علمی کمالات کی موجودگی میں حکومت مغلیہ میں حصول منصب جلیلہ کے لیے کفیل و ضامن تھا۔ چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لیے دہلی کے سفر کا عزم کر لیا۔ مگر ان ہی دنوں حضرت سیدنا غوث اعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بصورتِ القا آپ کو ارشاد فرمایا۔ حقیقت محمدیہ کے فیضان کی تبلیغ و اشاعت کے لیے آپ اپنی زندگی مختص کر دیں اور فقیری کی عزت کو ہر چیز پر ترجیح دیں۔ یہ حکم اس وقت صادر ہوا جب آپ قرآن حکیم کی صورت آل عمران حفظ کرنے میں مصروف تھے اور جب آیت قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَن

تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی کل شیٔ قدیر (اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے ملک عطا فرماتا ہے، جسے چاہے ملک عنایت نہیں کرتا۔ اور جسے چاہے عزت دیتا ہے، جسے چاہے اسے عزت نہیں دیتا۔ تیرے ہاتھ میں ہر قسم کی خیر ہے اور تو ہر حقیقت پہ نہایت قدرت رکھنے والا ہے) تلاوت کر رہے تھے تو اس وقت اس آیت کریمہ کا آپ کی زبان پر تکرار جاری ہو گیا تو آپ کو حضرت غوث اعظم کی زیارت ہوئی اور یہ رویت عینی تھی اور مذکورہ ارشاد صدور پذیر ہوا تو اس وقت انوار قادریہ مجملاً آپ کی روح پر مفتوح ہو گئے اور آپ کی زبان پر یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ کا ورد جاری ہو گیا۔ اس آیت کریمہ پر مفسرین قرآن حکیم نے جو افادات تحریر کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا: اخبرنی جبرائیل ان امتی ظاھرۃ علی الامم کلھا فابشروا تو اس وقت یہ آیت کریمہ مذکورہ نازل ہوئی۔ افادات سے استنباط ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں جو لفظ ملک ہے اس سے روحانی اقتدار کے استیلا اور ترفع کا مطلب بھی لیا جا سکتا ہے۔ ملک سے مراد مقدس ملک ہے جو ہر قسم کے اقتدار وجاہت کو حاوی ہے۔ فقر بھی اسی ہی جنس کی نوع ہے۔

اعلیٰ حضرت موصوفؒ کو اس آیت کریمہ کی تلاوت کے وقت انوار قادریہ کا مفتوح ہونا اور کچھ عرصہ بعد ازاں آپ کو طریقت قادریہ کا لواء اشاعت ہو جانا یہ بشارت تھی کہ آپ کی وجہ سے سلسلۂ طریقت قادریہ کی نہضت اور سربلندیٔ اقتدار وجود میں آئے گی۔ چنانچہ یہ بشارت بہر نوع صادق ہوئی۔ آپ نے طریقۂ قادریہ کی نہضت اقتدار کے لیے تمام زندگی کے وسائل صرف فرمائے اور تمام زندگی کو اس مقصد عزیز کے لیے مختص فرما دیا۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے حضرت غوث اعظمؓ نے جب آپ کو طریقت قادریہ کی اشاعت کی زمام سپرد فرمائی تو آپ کی زبان پہ ورد یا شیخ عبد القادر

شیئاً للہ جاری ہوا اور یہ واقعہ بھی تاریخ میں درج ہے کہ حضرت اعلیٰ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ آپ کی وفات کے وقت بھی آپ کی زبان پر یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ جاری ہو چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ کی زبان پر جاری ہوا اور اس کے بعد یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ ورد زبان ہو گیا حتےٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا

الحاصل آپ کو جو عشق حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عنایت ہوا وہ اوّل سے آخر تک آپ کے دل میں متجلی رہا۔ اسی ہی ضمن میں ایک لطیف نکتہ لائقِ ذکر ہے جس کا صریح تعلق آیت کریمہ مذکورہ کے معارف سے ہے۔ صوفیہ کے سواد اعظم نے حضرت جنید بغدادیؒ کو علم تصوف کی تدوین کے متعلق رئیس الصوفیہ قرار دیا ہوا ہے حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک یہ اصول تصوف ارشاد فرمایا ہے کہ تصوف ایک سعی مسلسل ہے جس میں سالک ہمہ وقت مستغرق رہتا ہے وراصل اور جوہر کے لحاظ سے یہ صفت اللہ کی ہے اور انعکاس کی حالت میں یہ صفت انسان کی ہو جاتی ہے اس سعی پیہم کا ثمرہ توحیدِ خاص ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ توحیدِ خاص یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے احساس سے یکسر عاری ہو کر ایک خیالی صورت میں حق تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہو جائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے حتّٰی کہ توحیدِ ذات حق کے بحرِ ذخار میں پوری طرح اس شخص کو غرق کر دیا جاتا ہے اور اس کا خیالی وجود بھی فنا ہو جاتا ہے اور اسے حق تعالےٰ کی وحدانیت کا کامل ادراک اس کے قرب کی وجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ عارفین کو جب حق تعالےٰ کے مکمل قرب کی خلعت مل جاتی ہے تو ان عارفین میں سے بعض شخصیتوں کو اللہ تعالیٰ نظام طریقت عطا فرما دیتا ہے اور یہ امتیاز و اجتباء اسی لیے عنایت فرمایا جاتا ہے کہ وہ عارف نظامِ طریقت کو اپنے گوہرِ سخن اور تابشِ حکمت اور انوارِ علم و عمل کے ذریعے سے اشراقاتِ محمدیہؐ کا

سہارا لیے ہوئے سعادت خیر کی اشاعت کا خیر المال علیٰ ساحرہ ثابت کریں۔ اس نظام طریقت کو اس سلسلہ طریقت کے تمام اسلف صالحین کی تائید ہر وقت میسر رہتی ہے۔ اللّٰھم مالک الملک کی آیت مذکورہ کی تجلیات جو اعلیٰ حضرتؒ پر متجلی ہوتی تھیں وہ اشارہ تھا کہ آپ کو طریقت قادریہ کی نہضت اور اقتدار کے لیے طریقت قادریہ فاضلیہ کا نظام عطا ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کے کچھ مدت گزرنے کے بعد قادری لوا (جھنڈا) حضرت اعلیٰ کو عالم رؤیا میں عنایت فرمایا، جو تمثیل تھی نظام طریقت کی۔ چنانچہ ارشاد غوثیہ جو خود حضرت اعلیٰؒ نے ہی بیان فرما دیا ہے اس کی تائید ہے آپ نے فرمایا ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ سلسلہ عالیہ علی الدوام آپ کی یعنی حضرت اعلیٰؒ کی نسل اصیل اولاد امجاد کے ذوق حبِّ الٰہی سے فروغ پاتا رہے گا۔ حضرت اعلیٰؒ نے جو جناب غوثیہ میں دعا کی تھی اس کے جواب میں یہ ارشادِ غوثیہ صادر ہوا تھا۔ جو بشارت اس ارشاد میں مرکز پائی جاتی ہے اس کا ارتباط آیہ کریمہ مذکورہ سے کیا جائے تو یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حبِّ الٰہی بھی ایک ملک ہے جسے اللہ چاہتا ہے عنایت فرما دیتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ درج کرنا بہت مناسب ہے کہ حضرت اعلیٰؒ کی زندگی کے بعد آپ کے اس سجادہ کی وراثت اس خاندان کے جن صالحین (رضوان اللہ علیہم) کو ملی ان میں سے ہر ایک نے بزبانِ حال یہی کہا کہ میں اپنے باپ (حضرت سید ابو الفرح محمد فاضل الدین قادریؒ) کی دعا ہوں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ سے فرمایا تھا میں تمہیں بتاؤں میں کیا ہوں؟ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں (انا دعوۃ الی ابراھیم) حضرت ابراہیم کی دعا یہ ہے۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتك ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (اے اللہ! ان

میں سے (ہماری نسل میں سے) ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان کو تیری آیت پڑھ کر سنائے اور کتاب وحکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے۔ انا دعوۃ ابی ابراھیم (میں اپنے باپ کی دعا ہوں) اس دعا میں وہ تمام کمالات مضمر ہیں جس کی تفصیل اس آیہ کریمہ میں موجود ہے جو یہاں استنباط کرنا مطلوب ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت اعلیٰ سید ابوالفرح محمد فاضل الدین قادریؒ نے سلسلۂ قادریہ فاضلیہ کے علی الدوام استحکام کے لیے دعا فرمائی تو بشارت متذکرہ بالا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے عنایت فرما دی جو کہ اس سجادہ قادریہ فاضلیہ کے سلفِ صالحین کے ذریعہ حرف بحرف پوری ہوتی رہی اور ان سلفِ صالحین اربابِ سجادہ قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف) میں حضرت اعلیٰؒ کے کمالات کی حقیقت کی تجسیم پائی گئی اور اس ہی میں انشاء اللہ اس سلسلہ عالیہ علی الدوام زندہ رکھنے کی کفالت موجود رہے گی کیونکہ زندگی کے لئے جو نمو اور تجدد نوامیسِ حیات میں شمار ہوتا ہے اس کی کارفرمائیاں تجلیات سلسلۂ قادریہ فاضلیہ میں موجود ہیں اور ان تجلیات میں توجہات حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا تسلسل متجلی ہے اور توجہاتِ غوثیہ کا بال بال اس سلسلہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کی ربوبیت کے تقاضوں سے آشنا ہے ؎

ہے نگاہ آشنا تیرا ہر مُو مجھے

اہلِ لغت کے نزدیک ربوبیت میں یہ تصور غالب ہے کہ کسی چیز کو مختلف حالتوں، ضرورتوں کے مطابق نشو ونما دیتے رہنا کہ وہ اپنے حدِّ کمال تک پہنچ جائے اور پرورش اور نگہداشت کا مسلسل اہتمام ہو اور یہ سب کچھ محبت اور شفقت کے ساتھ ہو اور نمو اور تجدد کے اسالیب کی رعایت سے ہو۔ چنانچہ اس ہی ربوبیت سے توجہات غوثیہ نے حضرت اعلیٰؒ کے خاندان اور

سلسلہ کا نوعی کمال ہو گیا ہوا ہے۔ یعنی حُبِّ غوثیہ اس خاندان اور سلسلہ کے لیے مختص ہے اور اس ہی نوعی کمال کے دوام اور ارتقاء کے لیے حضرت اعلیٰ دعا فرمایا کرتے۔ اے اللہ اس خاندان کو قیامت تک قائم رکھیو اور ہمیشہ اس کا ارتفاع اور ارتقاء فرماتے رہیو۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن (کہہ دو میں نے اپنی ذات اور جو میری اتباع کرنے والے ہیں ان کو اللہ کی توحید کے لیے مختص کر دیا ہے) اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ اقدار توحید کا اونچا معیار یہ ہے کہ انسان وجوہ ذات و تفصیل کو اللہ کے سپرد کر دے بصورت (وجھی) اپنی ذات کے اور بصورت ومن اتبعن اپنے وابستگان کے یعنی ان کے جن کو روایات سے وابستگی ہے۔ حضرت اعلیٰؒ نے جو اپنے خاندان اور سلسلہ طریقت کا عزم وفا حضرت اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تھا اس میں توحید کی اشاعت کے لیے فقل اسلمت وجھی کے علاوہ ومن اتبعن کے معارف کا مدلول آپ کے خاندان اور آپ کے سلسلہ طریقت میں موجود تھا۔

حضرت اعلیٰ سید ابوالفرح محمد فاضل الدین قادریؒ جب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں بٹالہ ضلع گورداسپور (پنجاب انڈیا) پہنچے اور طریقتِ قادریہ کی نہضت اور سربلندی کے لیے عزم بالجزم فرمالیا اور خاندانی دنیوی وجاہت پر فقیری کو فوقیت دے دی ہے

گل لئی اے سجناں لئی فقیری

تو طریقتِ قادریہ کا جذبہ ہر وقت آپ کے قلب و روح پر غالب رہنے لگا۔ مگر بنائے کمالاتِ روحانی بیعت مرشد ہے۔ اس لئے جستجو ہوئی کہ مرشدِ باکمال کے دست مبارک پر بیعت کی جائے۔ ارشاداتِ ربانی وابتغوا الیہ الوسیلۃ

اور ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ اور لتکونوا شھداء علی الناس
ویکون الرسول علیکم شھیدا میں اثباتِ بیعتِ مرشد کا ایضاح موجود ہے
بیعت اصولاً جمالِ مصطفوی کے فیضان کی آرائش کرتی ہے۔ وہ آرائش جو کہ روحِ
حیاتِ مومن ہے ؎

مشاطہ را بگو کہ بہ اسبابِ حسنِ ما　　چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

علمائے محققین اور صوفیہ مفکرین نے اس دعوت و تبلیغ الی یوم القیامۃ کو
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ یکاد
زیتھا یضئ ولولم تمسسہ نار سے مفکرین صالحین نے یہ استنباط کیا ہے کہ
اللہ کے نورِ عرفان حاصل کرنے کے لیے انبیا علیہ السلام کا توسل بمنزلہ شرط
ضروری ہے۔ انبیاء علیہ السلام کو کسی رہبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ نور اُن
کا فطرتی مقتضی ہے اور حضرت نبی اکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ
نور اکمل اور اتم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بعض قدسی نفوس
وہ ظہور میں آئے جن کو یہ نور اجمالاً ملا ہوا تھا۔ اور یہ امتیاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی امت کو ملا ہے۔ البتہ اس نور کو تعینات کی تفصیل سے آراستہ کرنے کے
لیے اُن قدسی نفوس کو بھی مرشد کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ سید ابو الفرح
محمد فاضل الدین قادریؒ بھی ان ہی نفوس قدسی میں سے ہیں۔ اور آپ کے اپنے
ارشادات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ انوارِ قادریہ مجملاً آپ پر بیعتِ مرشد سے قبل
ہی مکشوف ہو گئے تھے۔

الحاصل حضرت شیخ ابو محمد لاہوری (جو کہ نخبۃ الاصفیا رمجمع البحرین العلم والارشاد
حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسند خلافت قادریہ کے مسند
نشین تھے) ایک شب خواب میں حضرت اعلیٰؒ سے ملے اور انھوں نے آپ کو

بیعت کے متعلق حضرت شیخ محمد افضل کلانوری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ نے حضرت شیخ ابو محمدؒ لاہوریؒ سے بیعت فرمائی ہوئی تھی اور طریقت قادریہ کی اشاعت کرنا ان کا اشرف المقاصد تھا۔ حضرت ابو محمدؒ کا یہ اشارہ مذکورہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم کیساتھ مربوط تھا اور حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ کو بھی اس کا علم ہو چکا تھا۔ ان ہی دنوں حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ بٹالہ شہر میں ایک جگہ تشریف فرما ہوئے تو حضرت اعلیٰؒ اس ساقئ ہوش (حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ) کی خدمت میں گئے اور آپ نے موضوعِ ملاقات پر گفتگو ابھی شروع کی ہی تھی کہ حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ کے دل میں نہایت اطمینان پیدا ہوا ؎

آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم

توجہاتِ عالیہ کا امضا ہوا۔ حضرت اعلیٰؒ کے دل میں محبت غوثیہ کے لیے وسیع سے وسیع تر ظرف پیدا ہو گیا اور شوق کا وفورِ بیکراں موجزن ہو گیا۔

حضرت شیخ محمد افضلؒ کی دلربائی التفات کا یہ عالم تھا کہ امتعال و تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ آپ کو حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ نے بیعت سے ہمکنار فرمایا اور یہ وہ بیعت تھی جس کی ہدایت کمال میں نہایت کمال مشہود تھی اس کے بعد حضرت اعلیٰؒ کئی روز شہر بٹالہ سے باہر دور نکل کر دشت نوردی میں رہے۔ انوار قادریہ کی تجلیات نے آپ کو اپنا مہبط بنایا۔ اور اس میں استغراق اس حد تک ہو گیا کہ کھانا پینا بھی متروک ہو چکا تھا۔ کچھ دنوں بعد آپ بٹالہ شریف میں واپس آ گئے اور آپ نے وہ افکار، افکار لسانیہ اور افکار قلبیہ اور روحانیہ کے مجاہدات شروع فرما دیئے جو کہ اقلیم روحانیت میں درجات کے عروج کے لیے معین ہیں اور یہ سب حسب ہدایت مرشد بکمال تعدیل خضوع و خشوع ہوتا رہا۔ حضرت اعلیٰ

احوال میں مذکور ہے کہ آغازِ منازلِ ریاضت میں ملک العشاق شمس العرفا حضرت شاہ کمال سید کمال الدین حسن کیتھلی رضوان اللہ علیہ اور موسسِ بنیانِ ولایت کنز الفقراء والصفا حضرت شاہ سکندر کیتھلی رضوان اللہ علیہ کی توجہات و عواطف بیکراں نے آپ کی بہت امداد فرمائی تھی۔ حضرت شیخ ابو محمدؒ اور حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ نے جو فیوض حضرت اعلیٰ تک پہنچائے وہ بھی تاریخ میں درج ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اعلیٰؒ کو طریقت قادریہ کی سربراہی کے لیے تیار کرنے کی خاطر ان حضرات کی انتہائی آرزو تھی جو کہ بار آور ہوئی۔ حضرت اعلیٰؒ کو حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ کے واسطہ سے اور حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ کو حضرت شیخ ابو محمدؒ لاہوری کی وساطت سے اور ان کو حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوریؒ کے وسیلہ سے نسبتِ قادریہ عنایت ہوئی تھی۔ جب طریقتِ قادریہ میں حضرت اعلیٰ کی عظمت چہار دانگ عالم میں مسلّط ہو گئی تو حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ نے آپ سے ذکر فرمایا کہ قادریہ انوار میں آپ منتہی ہیں۔ اگر نقشبندی نسبت آپ پسند کریں تو وہ بھی آپ کو عنایت ہو سکتی ہے۔ اس پر حضرت اعلیٰ نے عرض کیا کہ مجھے فیضانِ قادریہ سے اس قدر عشق عالیہ ہے کہ میرے قلب و رُوح کی تمام وسعتوں میں فیضانِ قادریہ بھر گیا ہُوا ہے اور اس فیضانِ قادری کی موجودگی میں کسی دوسری نسبت کی طرف میرے قلب و رُوح متوجہ نہیں ہو سکتے اور مجھے اقلیم قادریہ کے شہنشاہ حضرت غوث اعظمؒ کی غلامی کافی ہے۔ حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ نے فرمایا کہ واقعی آپ نے درست کہا ہے کیونکہ حضرت غوث اعظمؒ نے بدستِ خود آپ کے خاندان میں یہ (قادریہ) جھنڈا لگایا ہے

حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ نے حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ کو حضرت شیخ سرہندی نے بیعت کی تھی۔ حضرت شیخ سرہندیؒ نے اُن کی رُوحانی تربیت فرمائی اور پھر ان کو حضرت شاہ سکندر قادریؒ کی خدمت میں بمقام کیتھل ضلع کرنال (انڈیا) بھیجا تھا

پہنچ کر کچھ دن قیام کرنے کے بعد حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ نے حضرت شاہ سکندر قادریؒ کے مبارک ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور حضرت شاہ سکندر قادریؒ کی توجہات قادریہ کا مرکز بن گئے اور حضرت شاہ سکندر قادریؒ نے طغرائے قطبیت آپ کو عطا فرمایا۔ حضرت شیخ سرہندی نے بھی انہیں اجازت طریقہ نقشبندیہ کی عنایت فرمائی تھی مگر حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ کی عظمت کی شہرت نسبت قادریہ مذکورہ کی وجہ سے ہی وجود میں آئی۔ کیونکہ اس ہی میں آپ کی غالب توجہ مرتکز تھی۔ حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ کے قلب و روح پر حضرت شاہ سکندر قادری کیتھلیؒ کی توجہات قادریہ کا اتنا اثر غالب ہو چکا تھا کہ ایک دفعہ حضرت شاہ سکندر قادریؒ لاہور تشریف لائے اور حضرت شیخ محمد طاہر بندگیؒ کے مکان پر پہنچے۔ اس وقت شیخ محمد طاہر بندگیؒ بالائی منزل پر تھے اور انہوں نے جس وقت حضرت شاہ سکندر قادری کو مکان کے سامنے دیکھا تو فرطِ اشتیاق اور وفورِ عقیدت سے سیڑھی پر اُترنے کی بجائے بالائی منزل سے کود کر نیچے پہنچ جانے کا ارادہ کر لیا تو فوراً شاہ سکندرؒ نے فرمایا۔ محمدؐ طاہر حوصلہ سے کام لیجیئے اور سیڑھی کے ذریعہ نیچے آیئے۔

حضرت اعلیٰؒ کے سوز و گداز سجود اور اخلاص عبادت اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے صادق ترین عشق پر تو ایک مستقل ضخیم کتاب تصنیف ہو سکتی ہے چنانچہ "بیان الاسرار" کا ہر ایک ورق اسی موضوع کی ایک کتاب ہے اور حقیقت الامر یہ ہے کہ جو اخلاص حدیث نبوی ان تعبد اللہ کانک تراہ میں ارشاد ہے۔ اس کا نور آپ کی زندگی میں جگمگاتا رہا اور آپ نے اپنے ہر عمل کو عبادتِ الٰہی تصوّر فرمایا ہُوا تھا اور ہر عمل میں یہی نورِ اخلاص کی تابانی تھی۔ اللہ کو ہمیشہ دیکھتے رہنا۔ اس ہی کی خوشنودی میں مگن رہنا۔ اعیاں ظاہر کو باطن کے اخلاص کے مکمل طور پر تابع رکھنا اور اس طرح کہ گویا داعیانِ ظاہر یعنی مخلوق کے وجوہِ ارتباط موجود ہی نہیں ہیں اور بشری سُود و زیاں کی کاوشوں کو مغلوب

رکھا ایں حد کہ جاء الحق و زھق الباطل کی روشنی دُور تک پھیل گئی۔

حضرت اعلیٰ نے تحدیث نعمت کے طور پر یہ واضح فرما دیا کہ آپ پر علم و عرفان کے دروازے اس حد تک کھول دیئے گئے ہیں کہ عمر نوُح بھی مل جائے اور تمام عُمر لفظ یٰسین کے معارف بیان کرتا رہوں تو تکمیل بیان نہیں ہو سکے گی۔ آپ کو فردیت، قطبیت کے درجات کی سرفرازی ملی تو آپ نے توحید کی اشاعت میں نہایت فیاضی سے تصرف فرمایا، اور آپ کے دستِ مبارک پر ہزارہا لوگوں نے بیعت کی اور سلسلۂ قادریہ فاضلیہ میں منسلک ہونے کا فخر حاصل کیا اور آپ کا سلسلہ طریقت عارفان و اخیار و ابرار کے لیے سراج و تاج اور سالکان کے لیے بحرِ ذخار ثابت ہُوا اور آج تک آپ کا توسّل فیوض و برکات کا مستفرہے۔ حضرت غوث اعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد ممتاز واصلان خدائے تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے کہ:۔ اصطفاهُ واجتباه و احبّہٗ الیٰ خلقهٖ وجعلهٗ یحبهٗ و یحبّہ قربهٗ وینعم بفضلهٖ وفتح علیه ابواب الرحمة ووعدهٗ ان لا یغلقها عنه ابداً حضرت اعلیٰؒ کے کمالات پر بکمال صادق آتا ہے۔ حضرت اعلیٰ نے رُوحانی درجات ابتدا ہی میں مجملاً حاصل کر لئے تھے اور عنایت روحانی اور موہبت لدنی کی تفصیل سے آپ کی ساری زندگی سرشار رہی۔

آپ نے طریقتِ قادریہ کی نہضت و فروغ کے لیے اپنے قلب و روح کی تابانی اور شانِ کمالات روحانی کے وسائل کے علاوہ فن تصنیف و تالیف اور سخنوری کے فضائل کو بھی خوب روشن فرمایا۔ عرب کے نامور شاعر متنبی کا یہ شعر آپ کے اُن کمالات کی ندرت کے متعلق صادق آتا ہے ؎

فی ثمانه ولسانه و بنانه
وجنانه عجبٌ لمن یتفقد

مزید برآں آپ نے طریقت قادریہ کی سربلندیوں کے استیلا کے لیئے ضروری سمجھا کہ مدرسہ بھی جاری کیا جائے۔ چنانچہ مدرسہ قادریہ فاضلیہ کے نام سے ایک عظیم الشان علمی درسگاہ کا قیام وجود میں لایا گیا جس کا وجود بٹالہ شریف میں زیر اہتمام دربار قادریہ فاضلیہ چمن زار برکات و فیوض ہوا۔ اس درسگاہ سے ہزاروں شیوخ علوم پیدا ہوئے جنہوں نے ملک پاک و ہند برصغیر کے مختلف گوشوں میں ہزاروں مدارس دینی جاری کیئے

حضرت اعلیٰ کو علوم تصوّف و تفسیر حدیث، ادبیات، عقلیات میں بے مثال تفرد حاصل تھا اس لیے آپ کا مدرسہ قادریہ فاضلیہ باعتبار علوم تمام برصغیر کے لیئے "آفتاب جہانتاب" ہو کر چمکا۔ مدرسہ قادریہ فاضلیہ آپ کی روایات عالیہ کے لیے فروغ دیدہ اور جمال بے زوال کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰؒ نے اس امر کی تاکید فرمائی ہوتی ہے کہ آپ کی سجادگی کی وراثت کے لیے اس مدرسہ کا وجود نہایت ضروری ہے۔

آپ کے آثار قلم یعنی تصنیفات بزبان عربی و فارسی ایک سو تک پہنچ چکی تھیں۔ مگر جن تصنیفات کو حضرت اعلیٰؒ نے غیر معمولی محنت و کاوش سے اپنے کمالات علم و حکمت کے خزائن کا مخزن بنایا ہے وہ تصوف پر مبنی ہیں۔ علم تصوّف میں آپ کو قدوہ کا رتبہ حاصل ہے۔ چنانچہ "بیان الاسرار" حضرت اعلیٰؒ کی وہ تصنیف ہے جس کے متعلق زعمائے تصوف اور علمائے حق کی یہ رائے ہے کہ ضخامت و بلاغت معنویت، تفکر و تعقل، تعمق فی الاحکام الفکریہ، اکثار حجت و برہان محسنات بدیعہ، اکثار استعمال القرآن الحکیم، اقتباس و استشہاد، اخبار صادقہ، مواعظہ رائقہ، تنقیح و تحقیق، تفسح و غلبہ مدح حضرت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے اعتبارات سے بیان الاسرار (تصنیف حضرت اعلیٰ ابوالفرح سید محمد فاضل الدین قادریؒ) قصیدہ غوثیہ کی عدیم المثال شرح ہے اور اتنی بلند پایہ شرح قصیدہ کی نظیر آج تک وجود میں نہیں آئی ہے۔

حضرت اعلیٰ کی یہ تصنیف شریف بہت معلومات افزا ہے۔ مختلف زاویوں پر اس میں ضیار گستری ہوئی ہے۔ ایک دو امور کا یہاں پر ذکر کر دینا بہت مناسب ہے تاکہ شکوک کی راہیں مسدود رہیں۔ حضرت اعلیٰ نے ارشاد فرما دیا ہے کہ بعض مستصوفین (بہ تکلف صوفی بنے ہوئے لوگوں) نے کچھ ایسی باتیں وضع کر رکھی ہیں جو حقیقت تصوف کو مستور اور پوشیدہ کر دیتی ہیں اور انہوں نے ظلمات بعضہا فوق بعض کی صورت پیدا کر رکھی ہے اور اس رجحان کو حضرت اعلیٰ نے مذمومات میں شمار فرمایا ہے۔

حضرت اعلیٰ نے وحدت الوجود کے نظریہ کے اسرار کی تحقیق فرماتے ہوئے وجودی اور شہودی نظریات کی مفاہمت کے لیے سعی منفصل فرمائی ہے اور اس اسلوب مفاہمت میں دراصل وحدت الوجود کی تائید فرما دی گئی ہے۔ وحدت الوجود کی حقیقت سے سب عارفین متفق ہیں البتہ مناہج بیان مختلف ہیں حقیقت وحدت الوجود تو اس حد تک مسلمہ ہے کہ مولانا ولی اللہ محدث دہلوی نے یہاں تک تحریر فرما دیا ہے کہ اگر میں مسئلہ وحدت الوجود کو ثابت کرنا چاہوں، تو قرآن و سنت کے تمام نصوص و ظواہر سے اس کا اثبات کر سکتا ہوں۔

حضرت اعلیٰؒ نے بیان الاسرار میں یہ صراحت فرما دی ہے کہ قصیدہ غوثیہ مذکورہ تصنیف حضرت غوث اعظم سیدنا سید عبد القادر الجیلی رضی اللہ عنہ کلام صحو ہے اور اس میں سکر کا شائبہ تک نہیں ہے۔ آپ نے اس کو انضباطِ فکر اور ہمہ گیر تعمقِ وجدان پر قائم کردہ استدلال سے ثابت فرمایا ہے اور اس بحث انیق کو پڑھ کر وہ حجابیت و حجابات جو سکر کے مکتب فکر نے قصیدہ غوثیہ کے متعلق حائل کر رکھے ہیں، وہ سب دور ہو جاتے ہیں۔

ایک طبقہ صوفیہ کا خیال ہے کہ قصیدہ غوثیہ کلام سکر ہے مگر حضرت اعلیٰؒ نے اس کی شدید تردید فرمائی ہے۔ اور ثابت فرما دیا ہے کہ قصیدہ غوثیہ کلام صحو

ہے اور اصلیت یہی ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ جیسی افضل و اعظم ہستی سُکر کے کلام سے منزہ ہے حضرت جنید بغدادیؒ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ عارف کی زندگی کا ایجابی پہلو یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے لیے رُوحانی رشد و تربیت کا سرچشمہ ہوتا ہے اور اوجِ کمالات یہ ہے کہ عارف کو حبِ الٰہی کے کمالات میں استغراقِ غایت ہو اور پھر بھی وہ صحو سے مالامال رہے مگر یہ امتیاز نہایت نادر الوقوع ہے اور صرف ان لوگوں کے حصّہ میں یہ انعام آتا ہے جو مسلسل اللہ تعالیٰ کی نوازش بے پایاں سے شاد کام ہوتے رہتے ہیں۔ الحاصل حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ اوجِ کمالات ایک بدیہی امر ہے۔

حضرت اعلیٰ نے قصیدہ غوثیہ کو وحی حق کا ظل قرار دیا ہے یعنی وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحیٰ کا ظل ہے۔ کیونکہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم محمدّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائبِ حقیقی ہیں۔

حضرت اعلیٰؒ نے اذکار و افکار و مشاہدات، مکاشفات کے متعلق بھی چند ایک کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو کہ آج تک اس دربار عالیہ (سلسلہ قادریہ فاضلیہ) کے لیے بطور مخزن اور ضابطہ عمل متصور ہوتی ہیں۔ آپ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی منقبت اور عشق میں بزبان فارسی اور اردو نظمیں بھی ارشاد فرمائی ہیں جو کہ "جواہر تصوّف" میں درج ہیں۔

حضرت اعلیٰ کے کرامات بَیّنات میں ان تمام کثیر التعداد اولیاء اللہ اخیار و ابرار عرفاء کا شمار ہوتا ہے جو آپ کے فیض و کرم سے روحانی درجات علیہ پر فائز ہوئے اور بڑی سے بڑی کرامت کی دولت و عظمت آپ کو یہ ملی کہ آپ کے توسل سے ہزارہا نفوس کو جادہ حق عطا ہوا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدنا علی علیہ السلام کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ اے علیؑ تمہاری کوشش سے ایک آدمی

کا بھی دینِ حق قبول کر لینا تمہارے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔

مزید برآں یہ آپ کی روشن کرامت ہے کہ بٹالہ شریف میں صدیوں کے عرصہ میں آپ کے سلسلہ عالیہ (دربار قادریہ فاضلیہ) سے خلائق نے حسی و معنوی، دنیاوی و روحانی امور میں استفادہ اور استفاضہ کیا اور دنیاوی مہمات میں استفادہ کرنے والوں میں مریدین کے علاوہ وہ بھی تھے جو کہ رُوحانی اقدار کے متعلق باطل عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی رُوحانی اقدار کو تسلیم نہیں کرتے تھے مگر دربار عالیہ کے تعویذات اور دعاؤں سے ضرور فائدہ اُٹھاتے رہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ طَوعًا وَکَرھًا (جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہے وہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ بعض خوشی سے اور بعض ناخوشی سے) اولیاء اللہ اور عرفاء کی طرف رجوع کرنا دراصل مبدا الفیض اللہ تعالیٰ کی جانب ہی سے استعانت کرنا ہوتا ہے اور اس ہی لیے طوعًا وکرھًا کا ل رجوع الی العرفاء میں بھی ہویدا رہتا ہے۔

یہ بھی حضرت اعلیٰ کی توجہات عالیہ کا فیض ہے کہ ماہ اگست ۱۹۴۷ء میں جب ہم نے بٹالہ شریف (ہندوستان) سے ہجرت کی تھی اور پاکستان میں متوطن ہو گئے تھے تو لاہور پاکستان میں حضرت اعلیٰ کا سلسلہ روحانی اپنی قدیمی نورانی روایات کے ساتھ قائم ہو گیا اور اب تک حضرت اعلیٰ کی توجہات سے اس سلسلہ عالیہ کے لیے قدسی فیوض کا ارتباط، ربوبیت و مربوبیت نہایت مستحکم ہے اور انشاء اللہ یہ ہمیشہ ہمیشہ مستحکم رہے گا۔ کیونکہ یہ توجہات حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی توجہات عالیہ کی امین ہے اور اس لیئے یہ شعر نامور عربی شاعر خوب صادق آتا ہے ؂

لا یدرك الواصف المطری خصائصه
وان یك سابقا فی کل ما وصف

توجہاتِ غوثیہ جو سلسلہ قادریہ فاضلیہ پر ضوفگن ہیں ان کے فضائل کے انداز کا ادراک نہیں ہو سکتا خواہ ان کی تعریف کرنے والا کتنا ہی مبالغہ کرے۔

اب حضرت اعلیٰؒ کی ایک دو کرامات حسّی یہاں پر اس لیے درج کی جاتی ہیں، کہ حسّی کرامت بھی دراصل رُوحانی کمالات کا ایک شعبہ ہے۔ مگر استیعاب والطناب سے حسّی کرامات کا ذکر کرنا نہایت مشکل ہے اس لیے ایک دو واقعات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ایک واقعہ تو مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ ایک شخص لاہور سے بٹالہ شریف گیا اور حضرت اعلیٰؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مدّعا عرض کیا تاکہ آپ قدسی توجہ سے اس کا عقدہ حل کر دیں۔ آپ کی دُعا سے اس سائل کو گوہرِ مدّعا مل گیا۔ اس نے حضرت اعلیٰؒ کی خدمت میں کیمیا کا ایک نسخہ صدری بطور نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ یہ میرا عرصۂ دراز سے مجرب نسخہ ہے جو کسی کو میسّر نہیں آیا۔ حضرت اعلیٰؒ نے وہ نسخہ سائل مذکور کو واپس دیا اور فرمایا۔ میرے پاس ایک ایسا نسخہ کیمیا کا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی اور جب کبھی کوئی حاجت و ضرورت مجھے لاحق ہوتی ہے میں اس نسخۂ کیمیا کو استعمال کر لیتا ہوں تو وہ کارآفریں کارکشا ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وہ نسخہ ہے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم عالی یعنی (یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ)۔ ایک تو اپنا نسخہ کیمیا ظاہر فرما دیا۔ دوسرے یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ آپ کرامات سے مکمل آراستہ ہیں کیونکہ ہر مقصد کے لیے آپ کے پاس حل موجود ہے

ایک واقعہ یہ منقول ہے کہ ایک سائل جو کہ آنکھ کی بصارت کے ضائع ہو جانے پر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں آیا۔ عرض پرداز ہوا کہ میری بصارت ضائع ہو چکی ہے اس کی بحالی کے لیے دُعا فرمایئے تو آپ نے اس کو فرمایا ہمارے دربار کی دہلیز پر جو خاک ہے اسے بطور کحل البصر (آنکھ کا سرمہ) استعمال کر لو۔ چنانچہ اس مریض نے حضرت اعلیٰ کے آستانہ عالیہ کی دہلیز سے کچھ خاک اُٹھائی اور اسے بطور سرمہ استعمال کرنا

شروع کر دیا اور اس کو بینائی مل گئی۔ اس کرامت میں ایک یہ نکتہ دلآویز بھی موجود ہے کہ حضرت اعلیٰؒ کی کرامت مذکورہ نے دربار عالیہ کی خاکِ دہلیز میں بھی جو عظمت مستور اور پنہاں ہے اس کو منکشوف فرما دیا۔ ذوقِ اخلاص، ملکۂ اخلاص پیدا کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں داخل ہو جاؤ تو فیض کی تجلی کا ادراک کر لو گے۔ اس کرامت میں حضرت اعلیٰؒ کی وہ محبت فروزاں ہے جو آپ کے دل میں سلسلۂ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کے متعلق مترکز ہے اور آپ نے اس ہی محبت کی طرف اس فاقد البصر مریض کو متوجہ فرمایا تھا۔ جب اس کے لیے دربار کی خاک دہلیز کا سرمہ تجویز فرمایا تھا تو یہ اشارہ بھی اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ جب دربار کے دروازے کی دہلیز یعنی سلسلہ میں داخل ہونے پر یہ علومرتبہ ہے تو دربار یعنی سلسلہ کے مناظرِ درجات کے علوشان کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

ایک واقعہ یہ بھی منقول ہے کہ ایک شخص اپنے کمسن فرزند کو حضرت اعلیٰؒ کی خدمت میں لایا تاکہ اس کے مستقبل کی درخشانی کے لیے دعا فرمائیں۔ اس وقت بچے کی عمر چار پانچ سال ہو گی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کو وزارت عنایت فرمائیو۔ کیونکہ اس وقت اس کی یہ آرزو ہی نہ تھی مگر مدت دراز گزر جانے پر غالباً پچیس تیس سال سے زیادہ مدت گزر جانے پر اس شخص مذکورہ کے فرزند کو دہلی حکومت میں واقعی منصب وزارت حاصل ہوا۔

ایک واقعہ یہ بھی منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت اعلیٰؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کے قصبہ میں چند با رسوخ لوگ اسے بہت تنگ کرتے ہیں دعا فرمائی جائے کہ ان کے جور و ستم سے حفاظت ملے تو آپ نے فرمایا۔ تمہیں آہ و فغاں کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اللہ نے اتنی طاقت دے رکھی ہے کہ اگر چاہوں تیرے قصبہ کے تمام لوگوں کو مع ان کے مکانوں کے یہاں لے آؤں۔ آپ کی توجہ عالی سے اس شخص نے مقصد حاصل کر لیا۔

حضرت اعلیٰؒ کی خدمت میں اس زمانے کی حکومت کے حکام عموماً دعاؤں کے لیے حاضر ہوتے اور فائز المرام ہوتے۔ چنانچہ لاہور کے علاقہ کے حاکم اعلیٰ بھی آپ کے معتقدین میں سے تھے اور وہ اکثر بٹالہ شریف آپ کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔

منقول ہے ایک دن اشراق کے نوافل سے فارغ ہوتے ہی آپ کی زبان سے دہلی کے تخت حکومت کی تبدیلی کے متعلق کلمات صادر ہوئے اور حکمران کی جانشینی کی پیش گوئی بھی اس ارشاد میں ثبت تھی۔ کچھ دنوں اس کے بعد وہی ظہور میں آگیا جو کہ حضرت اعلیٰؒ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس واقعہ کی تمام علاقہ میں بہت اشاعت ہو گئی جس سے آپ کی برگزیدگی کی شہرت عام ہوئی۔

آپ کی ایک کرامت ایسی ہے جس کا بیان کچھ عرصہ ہوا ایک موقر اخبار میں بھی شائع ہوا تھا۔ وہ یہ ہے کہ حضرت بُلھے شاہ قادری قصوری مغربی پاکستان میں ایک نامور ولی اللہ تھے جن کا اسم گرامی سیّد عبداللہ ہے۔ وہ شاہ عنایت قادری لاہوری کے عظما خلفاء میں سے تھے وہ ابھی طریقت کے مراحل طے کر رہے تھے کہ انھوں نے کہنا شروع کر دیا "میں اللہ ہوں"۔ علمائے شریعت نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے حضرت بلھے شاہؒ کے اس قول پر فتویٰ دینے کی تجویز کی۔ کیونکہ دہلی میں حکومت مغلیہ نے اس ہی قسم کے واقعہ پر موت کی سزا کا حکم صادر کیا تھا۔ الحاصل علماء شریعت نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ سند العارفین جامع علوم ظاہری و باطنی حضرت ابوالفرح سیّد محمد فاضل الدین قادریؒ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوالفرح سیّد محمد فاضل الدین قادریؒ نے جب علماء کرام کو حاضری کا شرف عنایت فرمایا تو حضرت بلھے شاہؒ علمائے کرام کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوالفرحؒ نے واقعات سن کر حضرت بلھے شاہؒ کی طرف ایک بار دیکھا اور ایک ساعت کے بعد علماء کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بُلھے شاہؒ نے جو کہا ہے وہ الھٰ نہیں

اس کی مراد معبودِ حقیقی نہیں ہے بلکہ وہ اللہ بزبان پنجابی خام کا مدلول ہے اور اس میں شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہے اور ابھی تک بُلھے شاہ سالک کی منازل طے کرنے میں خام ہیں مگر اب بہت جلدی ان کی حبِّ الٰہی تکمیل پذیر ہو جائے گی ؎

طرب برائے محبت کنوں شود معمور

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت بُلھے شاہؒ روحانی عالم میں خوب درخشاں ہو گئے اور ان کے کلام نے توحید کے مسائل نہایت عارفانہ طور مکشوف کئے ہیں۔

حضرت ابو الفرحؒ کی کرامت مذکورہ کے متن کی تفسیر حافظ شیرازی کے اس شعر میں مشہود ہے ؎

بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شُد

حضرت ابو الفرحؒ کی ایک نظرِ التفات کی وجہ سے حضرت بُلھے شاہؒ اس قابل ہو گئے کہ سینکڑوں سالکان کو عرفان سے متمتع کرنے لگے۔

ایسے لوگوں کی تعداد کا حصر نہایت مشکل ہے جنہوں نے اولاد کی پیدائش کے لیے آپ کا سہارا لیا اور بامراد ہوئے۔ اس قسم کے لوگوں کی تعداد ہزار ہا تھی۔

آپ کی ایک یہ کرامت بھی محو نہ ہونے والی تاریخ میں ہمیشہ درج رہے گی کہ آپ نے ایک دُعا مانگی اور پھر اس کے مستجاب ہو جانے کے بعد اس دُعا کو شکریہ کے لیے بطور تذکرہ اپنے معمولات میں داخل فرما لیا۔ دُعا یہ ہے :-

اللّٰھم اغنی بحلالك عن حرامك ولا تذرنی فرداً وارزقنی رزقاً حلالاً کثیراً وولداً صالحاً عالماً عاملاً کبیراً (اے اللہ مجھے حرام سے بے نیاز کر دے اپنا رزق حلال دے کر اور مجھے اپنا رزق حلال کثیر عنایت فرما اور فرزند صالح عامل اور کبیر عنایت فرما)

کبیر کا لفظ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہوا ہے اور مفکرین و مفسرین نے کبیر جو کہ

اسماء الٰہیہ میں سے ہے اس کا معنی بہت بلند، عزت مند بیان کیا ہے اور اس میں سرداری کی عظمت کا تصوّر موجود ہے اور مفسرین نے اس ہی کبیر کے متعلق لکھا ہے جب یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوں گے کہ ایسی بڑی ہستی کہ جس سے کوئی ہستی زیادہ بلند نہ ہو۔ اور جب انسان کے لئے کبیر کا لفظ استعمال ہوگا تو اس کے معنی میں یہ منصوّر ہوگا کہ وہ کامل شخص اپنی صفاتِ کاملہ کا مالک ہے کہ اس کی صفات کمال سے ہر وہ شخص فیض پالے گا جو کہ اس کا قرب حاصل کرلے اور اس کا کمال عقل و ورع اور اس کے علم کو محیط ہوگا۔ یہ کبیر دراصل عالم تقی مرشد اور قدوہ صالحین ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

غور کرنے پر آپ کی دُعائے مذکور کی حکمت اور دعا کی جامعیت مکشوف ہوتی ہے چنانچہ اس دعا کے بکثرت کئے جانے پر حضرت غوث اعظمؒ نے بشارت فرمائی کہ آپ کے ہاں ان ہی کمالات سے آراستہ فرزند پیدا ہوگا جو آپ کی دُعا میں مذکور ہیں اس کا نام اہل اللہ ہونا چاہیئے اس دعا کی مقبولیت اور بشارت غوثیہ کے نتیجہ میں حضرت اعلیٰؒ کے ہاں فرزند کی ولادت ہوئی تو آپ نے اس فرزند کا نام اہل اللہ غلام قادرؒ رکھا۔ اہل اللہ کے نام میں معیت الٰہیہ مشہود ہے جس میں معیت الٰہیہ سے مراد کینونت تامہ مع اللہ ہے۔ بدیں طور کہ تخلق باخلاق اللہ عارف کو حاصل ہو کر ذاتی حب الٰہی کا بقا عارف کو مل جائے۔

حضرت اہل اللہ سید غلام قادرؒ کی ولادت باسعادت اور ان کی عمر بھر اعلیٰ رتبہ کے رُوحانی کمالات کا فیضان جاری رہنا یہ بھی حضرت اعلیٰؒ کے مستجاب الدعوات ہونے کا بہترین استشہاد ہے کیونکہ صالح عالم، عامل کبیر کی صفات سے کامل اتصاف فرزند موصوفؒ (حضرت اہل اللہ غلام قادرؒ) کو نصیب ہوا۔ کبیر کے جو تصوّرات مرشد قدوۃ الصالحین کے مفکرین و مفسرین نے بیان کئے ہیں اور جن کا ذکر اُوپر بیان ہو چکا ہے، حضرت اعلیٰؒ کی دُعا کی مقبولیت سے حرف بہ حرف صادق آئے۔

حضرت اعلیٰؒ کی جلوت

حضرت اعلیٰؒ کے معمولات اذکار و افکار ہیں۔ مدرسہ قادریہ فاضلیہ کے انتظام اور لنگر کے اہتمام کے علاوہ لوگوں سے بکثرت ملاقاتیں کرنا بھی شامل تھا یُعَلِّمُھُمُ الکتاب والحکمۃ و یزکیھم کی اتباع کے لیے اذکار و افکار اور معارف قرآن و سنت کی تعلیم اور تزکیہ نفوس اور تربیتِ رُوحانی کے متعلق آپ کو جو نورِ حکمت عطا تھا وہ آپ کی بہترین صفت ہے اور اس نے توحید کی اشاعت میں بہتر نتائج پیدا کئے اور یہی وہ نُورِ حکمت ہے جسے اشرف الاشیاء اور اخص صفات الٰہیہ فرمایا گیا ہُوا ہے اِس ہی لیے اسے قرآن حکیم میں خیراً کثیراً فرمایا گیا ہے۔ یہ نور حکمت حضرت غوث اعظم سیدنا سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی توجہ خاص سے حضرت اعلیٰ موصوفؒ کو ملا تھا اور یہی نور حکمت آپ نے اپنے سلسلہ عالیہ قادریہ میں ودیعت فرما دیا ہے

عاشق و ہم قاصدِ طیارِ عشق   از جبینش آشکار اسرارِ عشق

حضرت اعلیٰؒ لوگوں سے اپنے دربار میں عام مجلس میں بکثرت ملاقاتیں فرمایا کرتے تھے اور ان کے دینی اور دنیوی امور میں بھی عمیق دلچسپی لیتے اور نورِ حکمت مذکورہ سے ان کی رہنمائی فرماتے اور حسبِ حال ان کی ہمدردی فرماتے۔ اور آپ اپنی زرعی و سکنی املاک کی مہمات کی قداحت و اہمیت کو اپنی ذاتی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ یہ سب کچھ ان ہموم اور مصروفیات کے علاوہ تھا جو اذکار و افکار تعلیم و معارف قرآن و سُنّت اور تزکیہ نفوس کے متعلق آپ کے معمولات میں شمار ہوتی تھیں اور اس امتزاج خلوت و جلوت سے آپ کے اس نظریہ کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ رہبانیت (ترکِ مطلق) حبِ الٰہی کا اصول نہیں ہے۔ آپ کا لباس نہایت قیمتی اور فاخرہ ہوتا تھا اور آپ کی زندگی کے ہر شق و معیار میں لطافت نمایاں نظر آتی تھی۔ حبِ الٰہی میں آپ کا اس خصوصیت کا اخلاص تھا کہ

تمام ماسوا سے مکمل انقطاع اور تفرد الی اللہ ایک حقیقت تھی۔ اور ادھر شرعی حرکات کا کمال احترام آپ کی دُنیاوی امور کی سماہی میں نمایاں تھا۔ بفحوائے آیت کریمہ اِنَّ لکَ فی النہار سبحًا طویلًا آپ کی دنیاوی مصروفیتوں کے امتداد میں ایک خاص حزم و عزم استوار تھا جو کہ حقیقتہً حبِ الٰہی کے اقدار کے امتثال ہی کے لیے تھا۔ آپ کی دنیاوی وجاہت بھی نہایت مقام پر پہنچ گئی تھی۔

انبیاء اور اولیاء جیسی قدسی شخصیات میں سے چند حضرات کو اللہ کریم دنیوی عزت و اقتدار کا غلبہ عنایت فرماتا ہے تاکہ نظریۂ رہبانیت کی تردید واضح طریق سے عمل میں آئے۔ ان قدسی حضرات پر اس غلبۂ عزت و اقتدار دنیوی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ کسرِ نفسی اور ائتلاف نفسانیت دل کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس لیے کہ ان قدسی حضرات کی دنیوی عزت و اقتدار پر اللہ کی عظمت و کبریائی کی تجلیات کے انوار ہر لمحہ متجلی رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قدسی حضرات کی اپنی صفاتِ نفس بالکل محو ہو جاتی ہیں اور ان کی دنیوی وجاہت ان کی روحانی کمالات کا سنگھار ثابت ہو جاتا ہے۔

سالانہ عرس مقدس حضرت فرد افخم غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ حضرت اعلیٰؒ اپنے دربار قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف) میں بڑے اہتمام و احتشام کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ دُور دراز مقامات سے زائرین جوق در جوق شمولیت کے لیے حاضر ہوتے۔ مواعظ کے علاوہ قوالی بھی ہوتی تھی۔ مزامیر کا سماع آپ کے سلسلہ کی قدسی روایات سے خارج ہے اس لیے جو قوالی ہوتی وہ مزامیر سے منزہ ہوتی تھی اس تقریب سعید میں خاص و عام رفیع و وضیع ہر نوع کے حاضرین کی شمولیت ہوتی تھی۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک تاریخ کی کتاب میں اس زمانے کے اولیاء اصفیاء کی فہرست درج ہے جو اس شمولیت کو اپنے لیے سرمایہ ہزاراں شرف و سعادت سمجھتے تھے۔

آپ کے لنگر سے ہر روز صبح و شام کثیر تعداد لوگ مرد عورتیں بچے طعام کھاتے

تھے۔ مسلم اور غیر مسلم سبھی اس لنگر سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت اعلیٰ نے مدرسہ قادریہ فاضلیہ اور دربار عالیہ کی عظیم الشان عمارات کے علاوہ مسجد و رباط اور مہمان خانے بھی تعمیر کرائے تھے۔

حضرت اعلیٰؒ نے ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ کو بمقام بٹالہ شریف وفات پائی اور دربار عالیہ کی خانقاہ معلّٰی میں بمقام بٹالہ شریف ضلع گورداسپور (انڈیا) آپ کا مزار مقدّس تعمیر ہوا۔

حضرت اعلیٰؒ کی خواندگی کے واقعات اور آپ کے علوم و عرفان کے درجات کے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ اخلاق اللہ سے متخلق تھے اور آپ میں صفاتِ حمیدہ متجلی تھیں۔ عبدیت و عبودیت استقامت و ترک مالا یعنیہ، فراست، خلوت و جلوت، حزم و احتیاط، اہتمام حقوق، محبت، صدق اخلاص، استغناء، حسن انتظام، تیقظ، اہتمام اصلاحِ مریدین، رقیق القلبی، حسن خلق، ترحم و ایثار، جود و سخا، تحقیق و تدقیق، اصالۃ الرائے، صدقِ الحسّ، توکل، صبر، رضا، تسلیم، شکر، عدل، تقویٰ، مجاہدہ، یقین، اجتہاد، تحمل، عفو اور وفا یہ سب فضائل و کرائم آپ میں درخشاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک فضیلت کے شواہد آپ کے حالات نے بکثرت پیش کئے ہوئے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے مسند عالیہ کے عرفاء رضوان اللہ علیہم آپ کے سجادہ عالیہ کو زینت دیتے رہے۔ ان کا بھی ان اوصافِ حمیدہ سے اتصاف ایک تاریخی حقیقت ہے۔ چنانچہ حضرت عارف کامل سید نذر محی الدین قادریؒ سجادہ نشین ہشتم کی زیارت سے جو لوگ مشرف ہوئے وہ اس حقیقت کے خد و خال سے متعارف ہیں کہ حضرت عارف کاملؒ میں ان صفاتِ مذکورہ کا انعکاس موجود تھا۔ علیٰ ہذا کئی لوگ حضرت جدامجد حافظ سید ظہور الحسینؒ سجادہ نشین ہفتم کی زیارت کرنے والوں سے مجھے ملے تو انہوں نے ذکر کیا کہ ان صفاتِ مذکورہ کا شہود

حضرت جد موصوف میں بدرجہ کمال موجود تھا۔ اسی طرح دیگر حضرات سلف کے حالات میں ان صفاتِ عالیہ کے شواہد فروزاں ہیں۔

قدوۃ العلماء المحققین، شمس الحجا، بذۃ الفضلاء، نورالعرفانِ العرفا، مطلع بدرُ الارشاد

حضرت علامہ سیّد اہل اللہ غلام قادر قادری فاضلی رضوان اللہ علیہ

آپ حضرت اعلیٰ سیدنا سیّد محمد فاضل الدین قادری رضوان اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر تھے آپ کی ولادت کے متعلق حضرت اعلیٰ کی دُعا اور بشارتِ غوثیہ کی تفصیل حضرت اعلیٰ کے حالات میں ذکر کردی گئی ہے۔ جب مدرسہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کی شہرۂ آفاق درسگاہ سے بتائیداتِ الٰہیہ علوم ظاہری کے بدرجۂ اتم اکتساب کا شرف حاصل فرمالیا تو پھر حضرت اعلیٰ کے دست مبارک پر طریقت سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں بیعت کرنے کا شرف بھی پالیا۔ شرف برشرف افزود۔ حضرت اعلیٰ کی زندگی ہی میں آپ مدرسہ قادریہ فاضلیہ میں کچھ عرصہ علاوہ دیگر معلمین کے خود تدریس فرماتے رہے اور طلبہ کو فہم غوامض دقائق اور درک حقائق کے لیے مستفیض فرما کر ان کو علوم ظاہری کے ادراک المعانی کے فیض سے مستفیض فرماتے رہے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد آپ نے دیگر معلّمین اور خود تدریسی مصروفیات سے فراغت ضروری سمجھی۔ کیونکہ سلسلہ عالیہ کی روحانی اقدار کے تحفظ اور ترویج کے لیے تکثر مصروفیت آپ کو بہت مشغول رکھتی تھی۔ البتہ آپ نے خود اہتمام مدرسہ کو تمام عمر اپنی عبادات قربات میں شامل رکھا اور طلبہ کے لیے انتہائی درجہ کا تخفض وتلطعت فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ درسگاہ سے مکمل طور پر منتفع ہوسکیں۔ اس درسگاہ کو اس وقت تمام برصغیر پاک و ہند میں ایک قسم کی یونیورسٹی کا رتبہ حاصل تھا۔ چنانچہ طلبہ تنافس و تشنہ جگری انتہائی رغبت اور اشتیاق سے مدرسہ میں داخل ہوا کرتے تھے۔ آپ کا استبحار علم اور تخصیص و

تحقیق ملک کے جہاندیدہ علماء کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت تھی اور اس کو اس اعتبار سے نہایت رفیع مقام حاصل ہوگیا تھا۔ آپ کو تصنیف وتالیف میں بہت بلند پایہ حاصل تھا اور تصوف میں آپ کی تصانیف اس امر کی شاہد ہیں کہ آپ کو اس فن میں بڑا تمکن حاصل تھا چنانچہ "رمز العشق" آپ نے تصنیف فرمائی اور اس کی اشاعت ہوئی تو تصوف کے عالم میں ایک تحوّل عظیم رونما ہوگیا۔ بعض لوگوں نے تو اس کتاب کے مطالعہ کو اپنا محبوب مشغلہ بنا رکھا تھا اور اکثر اس کے کثیر حصے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ رمز العشق کی مختلف زبانوں میں مبسوط و متوسط شرحیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ جو کہ تصوّف کے ایضاح اسرار کا مرقع ہیں اور اس کتاب رمز العشق کو پنجاب یونیورسٹی لاہور اور دیگر ادارات علمیہ نے بھی تبصرے کئے ہیں اور اس کی مقبولیت کے وجوہ پر مقالے لکھے ہیں اور آج بھی صوفیہ اس تصنیف کو دخیر جلیس فی الزمان کتاب (زمانے میں بہترین ہم مجلس کتاب ہی تو ہے) کا حقیقی رتبہ دیئے ہوئے ہیں۔

زبانِ عربی کے ادیبوں نے لکھا ہے کہ جس طرح بعض شخصیتیں مخدوم ہوتی ہیں اسی طرح بعض کتابیں بھی مخدوم ہوتی ہیں جن کو اس لیے کتاب مخدوم کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی طرف لوگوں کا رجحان بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس پر شرحیں، حاشیئے بکثرت تحریر کئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے میں کہوں گا کہ رمز العشق بھی کتاب مخدوم ہے۔

اس کتاب رمز العشق میں وحدت الوجود کے مکتب فکر کے فروغ نظر کی ورق در ورق جلوہ گری موجود ہے۔ صوفیہ کرام کا سوادِ اعظم وحدت الوجود پر ایمان رکھتا ہے۔ حضرت محقق اجود، عارف اکرم، مفکرِ اکمل شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (قدس اللہ سرہ) اس مکتب فکر کے سرخیل ہیں۔ انہوں نے جس انداز سے استدلال وحدت الوجود کی مشاطگی دور

فرمائی ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک اس انداز استدلال کی نہایت منفرد و ممتاز حیثیت ہے اور قدماء کے نہایت بلند پایہ ظاہری علماء نے بھی باوجود اختلاف عقیدہ کے حضرت شیخ اکبرؒ کے متعلق لکھا ہے کہ صوفیہ کے حلقہ میں یہ پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے وحدت الوجود پر ایک نصب العینی عقیدہ اور فلسفہ کی حیثیت سے مرتب کلام کی ہے اور اس سلسلہ میں اُنہوں نے ہر فن سے استفادہ کیا ہے۔ ادب زبان، قرآنی فقہ اور معقولات سے انہوں نے ایسے ایسے دلائل و شواہد تلاش کئے ہیں جنہیں دیکھ کر ان کی غیر معمولی نکتہ آفرینیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ بے نظیر شخصیت ہیں۔

آپ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی منقبت اور عشق میں بزبان فارسی اور اردو بہت نظمیں ارشاد فرمائی ہیں جو کہ "جواہر تصوّف" میں درج ہیں۔

آپ کا رُوحانی صعود و عروج

رُوحانی کمالات میں آپ کا صعود نہایت بلند اور آپ کا عروج نہایت رفیع ہُوا ہے۔ آپ حضرت سیّدنا سیّد محمد فاضل الدین قادری رضوان اللہ علیہ کے فرزند اکبر اور ان کے سجادہ کی زینت تھے اور حضرت اعلیٰؒ کی ذاتی توجہات کا مرکز تھے اور جو رُوحانی سربلندی آپ کو عنایت فرمائی گئی وہ تو آپ کے احوال کا فطرتی اور منطقی نتیجہ تھی۔ آپ کا قلب تجلّیاتِ انوارِ قادریہ سے بھر چکا تھا اور آپ کے قلب نے ان انوار کو اس حد تک سما لیا تھا کہ اس قلب میں کوئی جگہ خالی نہیں تھی کہ کچھ اور بھی اس میں سما سکے۔ یوں کہہ لیجئے کہ قلب کی انگشتری میں انوارِ قادریہ کا نگینہ اس طرح منتصب ہُوا تھا کہ گویا انگشتری اس ہی نگینہ کے لیے بنائی گئی تھی۔ انوارِ قادریہ کے رخشِ جمال کا نگینہ قلب اہل اللہ کی انگشتری کے حسن صنعت نے عالمیان کے لیے

غیر مستور کر دیا۔ ہزاروں طالبانِ حق نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے مریدین سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں اضافہ کیا۔ ان لوگوں میں علماء بھی تھے امراء اور حکام بھی تھے۔ اس عہد کے گورنر لاہور بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں تھے اور وہ اکثر آپ سے ملنے بٹالہ شریف جاتے تھے! اور آپ بھی لاہور ان کے پاس تشریف لایا کرتے تھے! احمد شاہ ابدالی کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی موصوف نے حضرت اہل اللہ سید غلام قادرؒ کے متعلق لکھا تھا۔

"من سیستان تا بہ دکن رفتہ ام مثلِ ایشاں در صورت و سیرت ندیدہ ام"

چند مہماتِ عسکری میں احمد شاہ ابدالی نے آپ کو دُعا کے لیے متوجّہ کیا تو آپ نے دُعا فرمائی۔ اور آپ نے نصرت و کامیابی کی بشارت بذریعہ پیامِ خاص احمد شاہ کو بھیج دی تھی۔ چنانچہ آپ کے ارشادات بالکل درست ثابت ہوئے اور احمد شاہ ابدالی کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

یہ جہاد پانی پت ۱۷۶۱ء کا واقعہ ہے جب کہ مرہٹوں کو غازی احمد شاہ ابدالی نے کمر شکن شکست دی تھی اور بمقام گوجرانوالہ بھی غازی احمد شاہ ابدالی نے جہاد کی صف آرائی کی تھی جہاں کہ سکھّوں نے مقابلہ کیا تھا۔ بالآخر کفار نے سپر ڈال دی۔ ان کو سخت شکست ہوئی۔ اس نور و باطل، اسلام و کفر کی لڑائی میں حضرت اہل اللہ سید غلام قادر شاہؒ میدانِ کارزار میں خود تشریف لے گئے تھے۔ کیونکہ احمد شاہ ابدالی نے آپ سے استدعا کی تھی کہ آپ کی موجودگی اور آپ کی دُعا کی وسعتِ اثر ان کے لیے نمایاں جرأت پیدا کردے گی اور ان کے لیے سرفرازی اور دلگرمی کا موجب ہوگی۔ اس میدانِ جہاد میں ایک خیمہ آپ کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ کفار نے اسلام کی فوج پر حملہ کیا تو اس وقت اسلام کی سپاہ نے یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے رجعت کرکے دوسرے مقام پر جاکر جنگ لڑی جائے۔ چنانچہ اس مصلحت سے بہت

اچھے نتائج حاصل ہوئے اور اسلام کی فوج کو فتح حاصل ہو گئی۔

اثنائے جنگ میں کفار نے اس خیمہ کا محاصرہ کر لیا جس میں آپ مقیم تھے۔ چنانچہ آپ نے دعائیہ رُباعی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر خاص انداز خضوع سے پڑھی تو آپ نے دیکھا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور آپ کو فرما رہے ہیں کہ اُٹھو اور میرے ساتھ باہر نکل آؤ۔ آپ نے دیکھا حضرت غوث اعظمؓ کے حکم میں آیت کریمہ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (کفار کی فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ منہ پھیر لیں گے) سے رُوحانی تسکین اور اسلام کی فتح کی پیش گوئی جگمگا رہی تھی۔ چنانچہ آپ فوراً اُٹھے اور خیمہ سے باہر نکل گئے۔ کفار کی فوج وہاں موجود تھی۔ مگر وہ آپ کو نہیں دیکھ سکے حالانکہ وہ خیمہ کے اردگرد اسلحہ لیے ہوئے کھڑے تھے۔ آپ وہاں سے نکل کر ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں اسلام کے لشکر کا ایک حصہ کفار کے لشکر پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے تیار ہو رہا تھا بالآخر اُسی کو فتح حاصل ہوئی۔

اس معرکہ میں حمیت شجاعت اور کرامت کا جو ظہور آپ کی ذات سے ہوا وہ بدیہی الانتاج ہے اور خوب واضح ہے۔ اس کرامت کے متن کی تفسیر کرنے کے لیے بہت وقت مطلوب ہے یہاں پر اس کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں اس قدر لکھنا کافی ہے کہ حضرت سیّد غلام قادرؒ کا حجاب جسم آپ کے نُور سے اس حد تک مختفی ہو گیا کہ آپ کفار کی نظر میں نہ آسکے۔ نُور غیر مرئی اور جسم کا حجاب اس نور مرئی میں مکمل پوشیدہ ہو گیا اور آپ کفار کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل گئے اور عسکر اسلام سے جا ملے۔

آپ کے خوارق و کرامات کی تعداد اتنی ہے کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ آپ کی سجادگی کے زمانہ میں جو لوگ آپ کی خدمت میں معروضات لے کر آتے جتنی ان کی تعداد ہے اسی ہی قدر آپ کے خوارق و کرامات ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ

کی وفات پر حضرت اعلیٰؒ کی زندگی ہی میں کلانور ضلع گورداسپور (انڈیا) دربار قادریہ فاضلیہ کی طرف سے نمائندگی فرمائی تھی۔ حضرت شیخ محمد افضل کلانوری ؒ نے فرمایا تھا کہ سید اہل اللہ غلام قادرؒ ہمارے لیے بہت اہم شخصیت ہیں۔ حضرت اہل اللہ غلام قادرؒ کو بحالت عبادت کئی بار دیکھا گیا کہ آپ کی شکل کچھ وقت کے لیے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مماثل نظر آنے لگتی تھی۔ آپ نے ۵ ربیع الثانی ۱۱۷۶ھ کو بمقام بٹالہ شریف ضلع گورداسپور (انڈیا) وفات پائی اور دربار قادریہ فاضلیہ کی خانقاہ معلیٰ میں مدفون ہوئے۔

مستجمع علوم والعرفان، مجد السیادۃ والمحامد الکریمۃ السنیہ، متصرف لواء القادریۃ الفاضلیہ، عمدۃ الاصفیاء والاتقیاء، ذوالحسب الباہر والنسب الفاخر، فرید زمانہ وحید القرآن شیخ المرشدین العارفین، فخر العلماء الراسخین سند الواصلین حضرت سید

غلام غوث قادری فاضلی رضوان اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت سے پیشتر ہی حضور غوث اعظم رضی اللہ نے بشارت فرمائی تھی کہ فرزند صاحب کمالات روحانی عطا ہوگا۔ آپ نہایت حسین و جمیل تھے اور نہایت زیرک و دراک تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید اہل اللہ غلام قادرؒ نے اپنی درسگاہ قادریہ فاضلیہ میں ان کی تعلیم کا اہتمام کیا جہاں انہوں نے علوم و فنون کے درجات علیہ کے مراحل بڑے امتیاز سے طے کیے۔ اعلیٰ تعلیم کے بعد آپ کی روحانی تربیت بھی حضرت سید غلام قادرؒ نے بتائیدات الٰہیہ انجام دی۔ علمی استکمالات اور روحانی افضی لغایات اور غایۃ النہایات کے حاصل کر لینے کے علاوہ آپ اپنے مستقبل کی تشکیل اور دنیوی معاشرہ میں اپنے مقام کی تحدید و تعیین کے لیے بھی اپنے والد ماجد

مرشد اکمل سے ہی تربیت یاب ہوئے تھے۔ آپ کی عمر بیس سال کی تھی جس وقت حضرت سید غلام قادرؒ کی وفات ہونے پر آپ کو سجادگی اور اس کے متعلق تمام امانت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ اس میں کوئی شک نہیں اور تاریخ نے اپنا فیصلہ یہی دیا ہوا ہے کہ آپ کے علمی کمالات کی غزارت و کثرت اور علو فکر و درایت آپ کی روحانی کمالات کے غلبہ کی ہمہ گیری نے اس زمانے میں آپ کو مضروب المثل بنا دیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جو عشق آپ کو عطا ہوا تھا اس کی تابش و اشراقات کا یہ عالم تھا کہ کئی بار آپ اپنی مجلس وعظ میں نہایت ادب کے استغراق کی ہیئت اختیار کر کے صرف اس قدر فرماتے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے ہیں ؎

خدا کا راز ہے قادر نہیں ہے جس پہ سخن

آپ کے فیوض تمام پاک و ہند برصغیر میں ینابیع چشمہ سار کی صورت میں موجزن تھے بلکہ ایران و افغانستان میں بھی معارف الٰہیہ کی اشاعت جس والہ مطلق اور اخلاص عمیق سے آپ نے فرمائی تھی آپ کی تصنیف "رمز العشق کی شرح بزبانِ فارسی اس کے وجود و اثبات پر دلالت کر رہی ہے۔ آپ نے اپنے ایرانی معتقدین کی فرمائش پر یہ تصنیف فرمائی تھی۔ تمام پنجاب (برصغیر پاک وہند) میں بھی کاخ ہائے بلند سے "نورِ مصطفوی کو سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے مکتبِ فکر تصوف میں جہاں افروز دیکھنے کے مواقع حضرت سید غلام غوث رضوان اللہ علیہ نے بڑی فیاضی سے عنایت فرمائے، ہزاروں کفار نے آپ سے نورِ ہدایت کی توجہات پا کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ کثیر التعداد خوش نہاد طالبانِ حق آپ کے لطفِ عمیم اور کرمِ عظیم سے روحانی فیوض سے بھی مالا مال ہو گئے علاقہ جالندھر کا ایک قابلِ ذکر خاندان جس نے آپ کے سلسلہ سے فیض کی سرفرازی حاصل کی۔ وہ خاندان افغان ہے جس کی سربراہی میاں نور احمد خان قادری نے کی تھی۔

میاں نور احمد خان قادری (نور اللہ مرقدہٗ) نے خلیفہ (حبل اللہ من الابرار) کے

ہاتھ پر بیعت کی تھی اور خلیفہ عبدالرسول نے حضرت سید غلام غوث رضوان اللہ علیہ (سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف) کے مرید باصدق وصفا ہونے کا فخر حاصل کیا تھا اور جالندھر ہی کے صوفی اکبر علی (تغمدہ اللہ برحمتہ) نے دربار قادریہ فاضلیہ سے روابطِ روحانی قائم کئے تھے۔ علیٰ ہذا صوفی حافظ غلام قادر (طاب مثواہ) جالندھری نے بھی قادری خاندان جالندھر کے وسیلہ سے بٹالہ شریف کے قادریہ فاضلیہ انوار سے کامگاری حاصل کی تھی۔

حضرت سیّد غلام غوثؒ کے عہدِ سجادہ نشینی میں مدرسہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کی شمع کی تابانیاں اور ضیا باریاں بڑی براقی سے جگمگا رہی تھیں، لنگر اور سالانہ عرس مقدس حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات عالیہ درخشاں تھیں۔ رشد و ہدایت کا عروج و ارتقاء اوجِ ثریا پر پہنچ گیا تھا اور برِّصغیر پاک و ہند کے اطراف و اکناف کے بیشتر زاویوں میں اس رشد و ہدایت کا اثر و نفوذ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے سکھ حکام نے یہ اندازہ کیا تھا کہ آپ کے مریدین کی تعداد اس وقت ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ آپ جوان عمر میں ہی وفات پا گئے تھے جب کہ آپ کی عُمر بیالیس سال تھی۔

توحید کے اس بحرِ مّواج بیکراں کو دیکھ کر سکھ حکومت کے بعض کوتاہ نظر عمّال اور کارگزاروں کے دلوں میں حسد و بغض، خصومت و عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ یہ حسد و بغض، عداوت اور بدنفسی اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ حضرت سیّد غلام غوثؒ کی دعوتِ اسلام میں ایک غیر معمولی کشش اور دلآویزی تھی، ہزار ہا نے تراشے گئے تاکہ آپ کو ایذاؤں کے کرب و بلا میں مبتلا کیا جائے۔ بالآخر آپ پر تخویف ظلم و تعدی یہاں تک کیا گیا کہ اقتصادی لحاظ سے آپ کو محروم الوسائل کر دیا گیا۔ یعنی تجویع کا عمل شروع ہو گیا۔ ذبح بقر کے شاخسانہ سے آپ پر اور آپ کے مریدین پر مظالم اور

سفاکیوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ مغلیہ عہدِ حکومت سے جو بیش بہا جاگیریں اس خاندان کو ملی تھیں وہ ضبط کرلی گئیں اور آپ کے لیے مصیبتوں اور ابتلاؤں کو مشتعل کر دیا گیا۔ لیکن حضرت سیّد غلام غوثؒ اور آپ کے خاندان اور مریدین نے ثبات و استقلال کا نہایت جلیل القدر ثبوت دیا ؎

تزول الجبال والراسیات وقلبهم
عن الحب لا یخلو ولا یتزلزل

(بڑے بڑے پہاڑ اپنی جگہ سے پھسل جاتے ہیں مگر ان لوگوں کے دل اس
محبتِ الٰہی سے کبھی بھی متزلزل نہیں ہوتے)

یہ شعر نہایت صحیح طور پر حضرت سیّد غلام غوثؒ اور ان کے رفقاء پر صادق آتا ہے آپ نے اشاعتِ توحید بند نہیں کی اور بالآخر آپ نے، آپ کے خاندان اور مریدین جو کہ دربارِ عالیہ میں تھے ان سب نے ہجرت کرنے کا عزم کر لیا۔ تاکہ کسی اسلامی ملک میں چلے جائیں اور بہتر حالات کا انتظار کریں۔ انہیں علم تھا کہ ان سے اغیار کی دشمنی اللہ کے لیے تھی۔ لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء میں یہی ارشادِ الٰہی مضمر ہے کہ جو اللہ کا دشمن ہے وہ ہر اس شخص کا بھی دشمن ہے جو اللہ کے غیر کی نفی کرتا ہے اور اس ہی لیے وہ اس کا دشمن ہے کہ وہ اللہ کے غیر کی نفی کرتا ہے۔

الحاصل حضرت سیّد غلام غوثؒ مع رفقاء کے عزمِ ہجرت پر گامزن ہو کر ابھی وزیر آباد ہی پہنچے تھے کہ آپ نے اپنی وفات کے متعلق اپنے ساتھیوں کو اشارہ فرما دیا۔

اس اثنا میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا بمقام وزیر آباد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ آپ ہجرت کا ارادہ ترک فرما دیں۔ ہم ان سب سے انتقام لیں گے جنہوں نے آپ کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا اور بٹالہ ہی آپ کا مستقر ہوگا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میں تو اب بہت جلدی دارِ آخرت جانے والا

ہوں۔ اب میں اس جہان میں نہیں رہوں گا۔ اس لیے بٹالہ واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ وزیریں ہی علیل ہوگئے اور کچھ دنوں بعد وہاں ہی وفات پا گئے۔ ۱۱۹۸ھ (۱۷ شعبان) تاریخ وفات ہے۔ آخری کلمات جو بوقت وفات آپ نے ارشاد فرمائے۔ وہ یہ ہیں :- میراں میراں یو لیئے ہوتی ہو سو ہو۔

آپ کے فرزند اکبر حضرت سید محمد شاہ صاحبؒ مہاجرین کے قافلہ میں شریک تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے لکھا ہے کہ اس وقت شدید مصیبت آپڑی تھی اور یہ شعر میری زبان پر جاری ہوگیا تھا ؎

صبت علی مصائب لوانّھا صبت علی الایام صرن لیالیا

(مجھ پر مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں جو کہ روشن دنوں پر چھا جائیں تو وہ اندھیری راتوں میں بدل جائیں)

آپ کا جنازہ کلانور ضلع گورداسپور لے جایا گیا اور وہاں حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ کے مزار مقدس سے بالکل متصل آپ کو مدفون کیا گیا۔

پنجاب کے اکثر حصوں میں انتشار طوائف الملوکی اور زبوں حالی کی شدت کے دورہ کا پیش خیمہ یہی مظالم تھے جو حضرت سیّد غلام غوثؒ پر کیئے گیے تھے۔ سکھ حکومت کے اعیان و امرا، حضرت سیّد غلام غوثؒ کے متعلق جو واقعات وقوع پذیر ہوئے ان سے بہت پشیمان ہوئے اور حضرت سیّد محمد شاہ صاحبؒ اور ان کے خاندان سے معذرت کی اور نہایت ادب سے بٹالہ میں از سر نو رونق افروز ہونے کے لیے ملتجی ہوئے اور بڑے اصرار سے حضرت سید محمد شاہ صاحبؒ کو مائل کر لیا کہ واپس بٹالہ کی سرزمین کو اپنی برکتوں سے مشرف فرمائیں۔ آپ نے کچھ عرصہ غور کرنے میں صرف فرما دیا اور پھر آپ بٹالہ تشریف لے گئے اور حکومت نے اپنی بد عنوانیوں کی تلافی کی۔ عمارات کی مرمت کرائی اور آپ کو یقین دلا دیا کہ تبلیغِ اسلام

جیسے بھی پسند کریں، کرتے رہیں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائیگی چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دربار قادریہ فاضلیہ کی وجاہت دنیوی اور عظمت دینی کا وقار انتصار کامل وجود میں آگیا۔

حضرت کی وفات کے بعد سند العلماء و فخر العرفاء حال الولایت کمال الصفوۃ حضرت سید محمد شاہ رضوان اللہ علیہ سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف) مسند آرائے دربار قادریہ فاضلیہ ہوئے۔ آپ اپنے والد محترمؒ کے اکلوتے فرزند تھے اور آپ اپنے والد محترم کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں منسلک ہوئے تھے۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت نے پہلے سے بھی زیادہ رسوخِ عزم، قوتِ ارادہ اور جوشِ حمیت سے شروع فرمادی۔ مریدین کی تنظیم کے لیے اس فقر کو تصرف میں لے آئے جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن، جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز آپ کے روحانی فیوض کا ایک انطلاق عظیم تھا اور جوش آفاق گیر تھا جس سے سلسلہ عالیہ کی تبلیغ کو اعلاءِ حق کا غیر معمولی درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ آپ نے مدرسہ قادریہ فاضلیہ کا جس عالی ذوق سے اہتمام فرمایا وہ آپ کی تاریخ میں ورق در ورق دلپذیر جلوہ گری کر رہا ہے۔ آپ نے تصنیف و تالیف میں بھی خاصی دلچسپی لی تھی سالانہ عرس مقدس حضرت غوث اعظمؒ آپ بڑے تزک و احتشام سے فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا لنگر حاجتمندوں، طالب علموں اور مسافروں کے لیے رحمت کا گھر تھا۔ آپ کے دستِ مبارک پر کثیر التعداد لوگوں نے بیعت کی اور سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں داخل ہوئے آپ کی خوارق و کرامات کی وجاہت اور عظمت تاریخ میں ایک مسلمہ حقیقت ہیں اس کے علاوہ آپ کا تبحر فی العلم تبصر فی الدین اور تدبر فی السیاست وہ خوبیاں ہیں جن کا اعتراف عارفین ملک کی تاریخ کے ایک ایک ورق نے کیا ہے۔ حضرت

موصوف کے اصطبل میں نہایت اعلیٰ قسم کے قیمتی گھوڑے پالنے کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ گھوڑے میں نے جہاد کے لیے تیار کیئے ہیں۔

حضرت سید محمد شاہؒ کی وفات ۱۲۲۴ھ میں بمقام بٹالہ شریف وقوع میں آئی اور بٹالہ شریف میں آپ دربار قادریہ فاضلیہ کی خانقاہ معلیٰ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند اکبر حضرت سید احمد شاہ رضوان اللہ علیہ دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کی سجادہ نشینی کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ نے اپنے والد حضرت سید محمد شاہؒ کے دست مبارک پر بیعت سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں کی تھی۔

سند السالکین مرشد الحقائق کنز الفقرا بحر الصفا نیر الواصلین شیخ المشائخ

حضرت سید احمد شاہ قادری

سجادہ نشین پنجم دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف (رضوان اللہ علیہ)

آپ جناب حضرت سید محمد شاہ قادری سجادہ نشین چہارم دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف (رضوان اللہ علیہ) کے فرزند اکبر تھے اور ان ہی کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں منسلک ہوئے تھے۔ قرآن حکیم کے حافظ، علوم ظاہری اور علوم باطنی اور عرفان کی جامعیت کے سرچشمہ تھے، اور آیت کریمہ واسبغ علیکم نعمۃ ظاھرۃ و باطنۃ کی مظہریت حقیقت اور معرفت کے درجات سے سالکین کو مرزوق اور متنفع فرمایا۔ ہزاروں نفوس نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں اضافہ کیا۔ سینکڑوں سالکین کو آپ کی توجہات نے اس قابل بنا دیا کہ وہ اللہ کے راز کو سمجھ سکیں۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے انسان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور الہام آپ کو فرمایا کہ انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں

اگر انسان اپنی حقیقت سے واقف ہو جائے اور اپنے مرتبہ کو پہچان لے جو اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ ہے تو یقیناً ہر سانس میں یہی کہے کہ اللہ مالک ہے اور اس کی سروری سزاوار ہے۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ انسان کا سمجھنا ہی ایک الجھن ہے، ایک راز ہے اور عارفین کی توجہات ہی سے یہ الجھن حل ہوا کرتی ہے۔

آپ نے علاقہ جات گجرات، سیالکوٹ، کشمیر و جموں، جالندھر، ہوشیارپور اور لدھیانہ میں بکثرت دورہ فرمایا اور طریقتِ قادریہ فاضلیہ کی بدرجہ کمال اشاعت فرمائی اور یہ حقیقت متحقق فرما دی کہ سلسلہ عالیہ قادریہ فاضلیہ بھی اللہ کے ذکر کا مصداق ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (بے شک ہم نے قرآن حکیم اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اس آیت کریمہ میں تحفظِ ذکر کا وعدہ ہے۔ اولیاء اللہ کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے تحفظ کے حقوق نیابتِ الٰہی کے طور پر ادا کئے جا رہے ہیں۔ آپ صاحبِ خوارق کرامات تھے۔ ہزاروں کرامات لوگوں نے مشاہدہ کی تھیں۔ ایک واقعہ یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے۔

دریائے چناب کے کنارہ پر ضلع سیالکوٹ (مغربی پاکستان) میں قصبہ کلووال واقع ہے۔ جناب حضرت احمد شاہ رضوان اللہ علیہ کے زمانہ میں ہی یہ قصبہ بڑی رونق سے آباد تھا۔ دریائے چناب نے کچھ عرصہ سے اپنا رُخ بدلنا شروع کیا ہُوا تھا اور یہاں تک حالت پہنچ گئی کہ تمام علاقہ کلووال اور اس کے ملحقہ ہزاروں ایکڑ اراضی کا رقبہ زیرِ آب آگیا اور دریائے چناب اس علاقہ میں بہنا شروع ہو گیا ان دنوں اس علاقہ کے لوگوں نے جناب سیّد احمد شاہؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی دعا سے دریائے چناب کا رُخ بدل جائے تو ہم لوگ تباہی سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ورنہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے غیر مسکون اور ویران ہو جائے گا۔ کچھ دنوں بعد آپ خود مع درویشاں اس علاقہ میں تشریف لے گئے اور ایک کشتی پر سوار

ہوگئے اور حضرت موصوف نے ایک درویش کو ارشاد فرمایا کہ قصیدہ غوثیہ کا یہ شعر ورد زبان رکھیں ؎

فلو القیت سری فی بحار

لصارا لکل غوراً فی الزوال

(پس اگر میں اپنی توجہ سمندروں پر مرکوز کردوں تو تمام سمندر نیچے زمین میں جذب ہو جائیں)

چنانچہ کچھ وقت اس ہی کشتی میں آپ مع درویشاں بیٹھے رہے۔ کشتی پانی پر چلتی رہی۔ درویش موصوف قصیدہ غوثیہ کا مذکورہ حصہ پڑھنے میں مصروف تھے اور حضرت ممدوح خود محو مشاہدہ تھے۔ اپنے لطیفہ روح القدس پر حق تعالیٰ کی تجلی مشاہدہ کر رہے تھے۔ واذا قضیٰ امرا فانما یقول له کن فیکون کی صفت الٰہیہ کے حکم کے صدور کا انتظار شدید ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس ہی وقت دریائے چناب کا پانی نیچے اترنا شروع ہوگیا۔ آپ نے کشتی کو واپس کنارے پر پہنچانے کا حکم دے دیا اور رات اس علاقے میں ہی اقامت فرما رہے۔ اگلے روز ہی دریائے چناب کا رخ بدل گیا اور آہستہ آہستہ تمام علاقہ کو از سر نو زرخیز آباد علاقہ کی صورت عنایت ہوگئی۔ یہ کرامت حجرہ شریف کے قریب ظہور پذیر ہوئی تھی۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد فلو القیت سری نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مناجات تکوین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور القیت میں یہ اشارہ ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کرامات کے ظاہر کرنے کے لیے غیر معمولی مجاہدہ اور مکابدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ محض ذرا سی توجہ کرنے سے ہی یہ کرامات وجود میں آجاتی ہیں۔

حضرت سیدا احمد شاہ صاحبؒ نے اس ہی ارشاد غوثیہ کے مطالب و افادات کے پیش نظر محض اپنی توجہ کو مبذول فرمایا تاکہ حضورِ غوث اعظمؓ کے امر تکوین کا نفاذ ہو اور دریا کی لہروں کے طغیان کو ارشاد غوثیہ فلو القیت سری فی بحار سے آگاہ کرتے

کے لیے درویش کی جہارۂ صوت اور بلندئ آواز کو اس لیے متصرف کیا گیا کہ دریا کا ایک ایک قطرہ کرامت غوثیہ کے نفاذ کا گواہ اور شاہد ہو سکے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پانی کی پہنائی اور گہرائی جو ایک اخطر الصعاب کی شکل اختیار رکئے ہوئے تھی اور جسے دیکھ کر ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ اس مشکل کا حل بشری طاقت سے باہر ہے۔ نگاہِ مردِ مومن کی طاقت خلاقیہ نے اس مشکل کو اس قدر جلدی حل کر دیا کہ پانی وہاں سے نہایت تیزی سے مرخص ہوتے ہوئے ان مچھلیوں اور آبی جانوروں کو بھی ساتھ نہ لے جا سکا جو کہ شب و روز اس کے ساتھ تھے۔ جب ماہی گیر دریا سے مچھلیوں کو جال لگا کر لے جایا کرتا تھا تو مچھلیوں کو شکوہ ہوتا کہ دریا کے پانی نے ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ پانی جال سے فوراً نکل گیا۔

صحبتِ ناجنس گر جان بخشدت ایمن مباش

آب را دیدی کہ ماہی را بدام افگند و رفت

ناجنس کی دوستی سے خبردار رہو۔ پانی کو تو نے دیکھا ہے کہ جب مچھلی کو ماہی گیر نے جال میں ڈالا تھا پانی جال کے سوراخ سے نکل گیا۔ دیدہ وروں نے پانی کو باعتبار مچھلی کے ناجنس ہونے کا نکتہ بیان فرمایا ہے۔

کلووال کے اس واقعہ کرامت میں پانی نے مخلوق سے ناجنس ہونے کا ثبوت دے دیا اور اس سے مستزاد یہ کہ دریا نے اس سرعت سے فرار کی راہ لی کہ آبی مخلوق بھی ششدر رہ گئی کہ پانی کہاں غائب ہو گیا مگر دریا اور کرتا بھی کیا۔ آیت کریمہ ہے کہ ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ رجلا (اور اگر ہم اُن کو فرشتہ بناتے تو بھی ان کو آدمی بناتا)۔

بشریت کا لباس حقیقت محمدیہ کے ظہور کمالات کے لیے بھی ایک ضروری

امر ہے۔ حضرت سیّد احمد شاہؒ بشریت میں ملبوس ضرور تھے مگر حقیقت میں وہ صفاتِ الٰہیہ کی تبعیت میں اختیاراتِ تصرف لیے ہوئے تھے۔ دریا کی مجال تھی کہ اپنی جگہ پر موجزن رہتا۔

حضرت سیّد احمد شاہ صاحبؒ نے مدرسہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کا اہتمام فروغ التزام پر مواظبت فرمائی اور زرِ کثیر سے مدرسہ عالیہ کے انتظام کی تمثیت کاری ہوتی رہی۔ غیر مسلم لوگوں کو دعوتِ الی الحق سے متواتر مستفیض فرمایا جاتا رہا اور اچھی خاصی تعداد نے دربار قادریہ فاضلیہ میں مختلف اوقات پر اسلام قبول کیا۔ آپ سالانہ عرس مقدس حضرت اعظم رضی اللہ عنہ دربار معلّٰی میں بڑے اہتمام سے ادا فرمایا کرتے تھے اس تقریب پر ہزاروں عقیدت مندوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

آپ نے دربار معلّٰی کی عمارات میں بھی اضافہ فرمایا۔ جب سے آپ زینت افروزِ سجادہ قادریہ فاضلیہ ہوئے اس وقت سے اپنی زندگی کے آخری ایام تک آپ نے عمارات رونق افزاء باغات دلکشا کا اضافہ فرمانے میں بہت دلچسپی لی۔ حتیٰ کہ کلانور کے مقام پر جس جگہ حضرت شیخ محمد افضل کلانوریؒ اور حضرت سیّد غلام غوث رحؒ (سجادہ نشین ثالث دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف) کے مزارات ہیں وہاں پر بھی مسافر خانے اور مسجد کی تعمیر کرائی۔ اور وسیع خوبصورت باغ لگوایا۔ کیونکہ وہاں خانقاہ شریف کی زیارت کے لیے ہر سال دو دفعہ حضرت سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف) کا تشریف لے جانا مسئولیاتِ منصبی میں شامل تھا۔

حضرت سیّد احمد شاہؒ نے اُن لوگوں کی تائید فرمائی تھی جو سکھ طوائف الملوکی کے مسلسل عزل و نصب سے شکستہ دل ہو جانے کی وجہ سے انگریزی حکومت کو بہتر تصوّر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا تو عواصف اور مفاسد کا دَور ختم ہو گیا تو انگریزی حکومت نے جناب سید احمد شاہؒ کے خاندان

کی عظمت اور مجد و شرافت کو تسلیم کیا۔

حضرت سید احمد شاہ صاحب نے کتابیں بھی تصنیف فرمائی تھیں۔ اکثر بزبان فارسی تصوف میں یہ تصانیف تھیں۔ ایک کتاب ملکی حالات کے متعلق بھی تصنیف فرمائی۔ یہ بھی بزبان فارسی ہے اور بہت ضخیم ہے اس کا نام "احوال ملک ہند و ملوک آں" اس میں آپ کے خاندان کے احوال بھی موجود ہیں۔ ان جانگسل مظالم کا بھی ذکر ہے جو اس خاندان پر اور متوسلین دربار عالیہ قادریہ فاضلیہ پر عمال طوائف الملوکی نے برپا کئے تھے اور اس میں ان مذمومات اور شدائد کا بھی ذکر ہے جو کہ طوائف الملوکی کے عمال نے پاک پتن کی درگاہِ معلّٰی اور دیگر مقاماتِ مقدسہ پر ارتکاب کئے تھے آپ نے ایک کتاب (تواریخ ہند) بھی تصنیف فرمائی تھی۔ ایک کتاب (احوالِ سلاطینِ ہند) بھی آپ کی تصنیف ہے۔

حضرت سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بمقام بٹالہ شریف وفات پائی اور خانقاہ معلّٰی دربار قادریہ فاضلیہ میں بمقام بٹالہ شریف مدفون ہوئے۔

عالی تبار، زبدۂ قدسیاں، ترجمانِ اصلانِ عارفاں کلید اسرار طریقت قادریہ آں منت عظیم کہ حق بر جہاں نہاد حضرت سید حسین شاہ رضوان اللہ علیہ سجادہ نشین ششم (دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف)

آپ حضرت سید احمد شاہ صاحبؒ کے فرزند اکبر تھے اور آپ ان ہی کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف میں منسلک ہوئے تھے۔ آپ بڑے عابد مرتاض سجدہ گزار تھے۔ اوائل عمر ہی سے عبادات میں استغراق آپ کے اخلاق پر عمیق اثر کر چکا تھا۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (آیت کریمہ: سجدہ کر اور قرب الٰہی حاصل کر لے) پر آپ نے سراسر عمل کیا۔ کئی لاکھ نوع کے نوافل اور بےشمار سجدے آپ نے

اپنی زندگی میں ادا کیے درود شریف تزکیہ وتصفیہ کتنی تعداد میں آپ نے وردِ زبان فرمایا۔ اس کا اندازہ لگانا کسی طریق سے بھی ممکن نہیں ہے۔ جہاں کہیں بھی جس وقت بھی تشریف فرما ہوتے سجدہ ریزی اور عبادت گزاری کا اہتمام وہاں ضرور کیا جاتا۔ بلکہ یہاں تک مشہور ہے کہ آپ ضلع کے جلیل القدر ملکی تمدنی اعتبارات سے رئیس بھی تھے۔ اس لیے ایک تقریب شادی پر مدعو تھے۔ یہ تقریب علاقہ کے اس ہندو رئیس کے ہاں منعقد ہوئی جن کی ملکی تمدنی اعتبارات سے دنیوی سرفرازی بہت ہی عروج پر تھی۔ جناب حضرت سید حسین شاہؒ سے اس رئیس کو عقیدت تھی اس لیے آپ تقریب پر تشریف لے گئے۔ عصر کا وقت آ پہنچا تو حضرت ممدوحؒ نے نماز کے لیے فراغت طلب کی۔ اس ہندو رئیس کے مکان سے ملحق رفیع الشان عمارت مندر کی تھی۔ یہ مندر ہندو رئیس مذکور کے ہی انتظام میں تھا۔ ہندو رئیس مذکور نے عرض کیا کہ اس وقت آپ یہاں کے صحن میں ہی نماز ادا فرمالیں۔ چنانچہ قالین کا مصلّٰے وہاں بچھایا گیا اور حضرت موصوفؒ نے نماز ادا فرمائی اور چند منٹ کا التوا بھی برداشت نہیں فرمایا۔ ماحصل اس بیان کا یہ ہے کہ حضرت سید حسین شاہ سجادہ نشین تھے اور سجاد بھی تھے اور تادمِ وفات آپ کے دل ودماغ پر حضرت اعلیٰؒ کا یہ سجع درخشاں رہا ؎

بندہ از بندگی شود فاضل

چنانچہ وفات سے کچھ وقت پیشتر بسترِ علالت پر آپ درود شریف (خیرات القادر تصنیف حضرت اعلیٰؒ) کا وِرد فرما رہے تھے اور اس ہی حالت میں آپ وفات فرماگئے۔ آپ صاحب کرامات وخوارق تھے۔ آپ نے تبلیغی دَورہ بکثرت فرمایا۔ آپ کے دستِ مبارک پر ہزاروں نفوس بیعت کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں منسلک ہوئے۔

آپ مدرسہ قادریہ فاضلیہ کا اہتمام بڑی سرگرمی اور شدتِ شوق سے انصرام

فرماتے رہے حالانکہ بوجہ آشوب نوائب آپکی اپنی تحصیل علم تشنۂ تکمیل ہی رہی تھی کہ آپ نے مدرسہ قادریہ فاضلیہ کے انتظام اور فروغ کو اپنے جوہر عقیدہ میں شامل کیا ہوا اور آپ اس پر دائم المتابعۃ تھے اور کبھی بھی تمام زندگی میں اس سے انحراف نہیں فرمایا بلکہ اس مدرسہ کے علاوہ ایک سکول مروجہ تعلیم اردو حساب انگریزی کے لیے آپ نے بٹالہ شریف ہی میں دربار قادریہ فاضلیہ سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر جاری فرمایا جو کہ کچھ عرصہ کے بعد حکام کے انتظام میں دے دیا تھا۔

آپ کو حکومت انگریزی نے پراونشل درباری کا منصب اعزازی دے رکھا تھا جو کہ اپنی نوعیت کا جلیل ترین اعزاز تھا جو کہ تمام صوبہ پنجاب میں گنتی کے افراد با اعتزاز کو دیا جایا کرتا تھا۔ آپ کی وفات ۱۲۹۶ھ میں وقوع پذیر ہوئی اور آپ خانقاہ معلّی دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف میں مدفون ہوئے۔

نیر علم و عرفان، نور قدسیان فقر، خاقانِ انوارِ حقیقت، سلطانِ اقلیم معرفت عالی تبار حضرت حافظ سید **ظہور الحسین** (سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف رحمۃ اللہ علیہ)

جناب حضرت سید حسین شاہؒ کی وفات کے بعد ان کے فرزند حافظ سید ظہور الحسینؒ سجادہ نشینی کے منصب مقدس پر فائز ہوئے اور مریدین کے لیے سلسلہ روحانی دربار قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف) کے لیے روحِ استحکام ثابت ہوئے۔ آپ کے کمالات علم و عرفان کے پیش نظر سے

فرمانروائے ماست کہ از فرشِ شوکتش — شد تاج سرفراز و نگیں اعتبار یافت

غالب کا یہ شعر صادق آیا۔

آپ نے قرآن حکیم حفظ فرمایا۔ علوم ظاہری میں ان علمائے کبار سے اکتساب فرما ہوئے جو کہ اس زمانے میں فنون و علوم عربیہ میں بحر ذخار تھے اور آپ بھی زمانے میں

علومِ ظاہری کے افق پر سورج بن کر چمکے۔ وہ سورج جو کسوف (سورج گرہن) سے منزہ تھا۔
بیعت اپنے والد محترم حضرت حسین شاہؒ کے دستِ مبارک پر کرکے سلسلہ قادریہ فاضلیہ
منسلک ہوئے۔ ریاضت و عبادت میں اس حد تک استغراق فرمایا کہ قرآن حکیم آیات اور
احادیث نبویؐ کے اسرار باوجود پنہائی اور وسعت کے آپ پر مکشوف بایں حد ہوگئے
کہ آپ کی ظاہری آنکھوں کی بصارت تو بچپن ہی سے ضائع ہوچکی تھی مگر آپ کی روح کی
آنکھوں نے بذاتِ خود مستقل چشمِ بصارت کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ آپ سے
جو کرامات رونما ہوتی رہی تھیں وہ اس حقیقت کی سند ہیں کہ آپ کے قلب و چشمِ بصیرت
و بصارت سے آپ کے ہاتھ سے، آپ کی زبان سے، آپ کے چلنے پھرنے، اٹھنے
بیٹھنے سے نور کا چشمہ ابل رہا تھا۔ آپ اپنے عملہ درویشان سے تعویزات لکھوا کر
سائلوں کو عنایت فرماتے تھے۔ مگر ایک خاص قسم کے حالات میں ان سے تعویزات
لکھوا کر ان تعویزات پر اپنی مہر ثبت فرماتے تھے۔ اور جب تک وہ مہر ثبت نہیں
ہوتی تھی ۔ وہ تعویذات تیمن و فیض کے لیے مؤثر نہیں ہوتے تھے۔

شد تاج سرفراز و نگیں اعتبار یافت

(آپ سے روحانی کلاہ مفتخر ہوا اور مہر کو وقار ملا) جو آپ کی روحانی شان کے
لیے میں نے استعمال کیا ہے اس میں یہ تلمیح بھی پائی جاتی ہے اور آپ کی زندگی کے
کمالات روحانی میں جو انفرادیت تھی۔ آپ نے قرآن حکیم کو حفظ کیا تھا۔ اس لیے
متحقق یہ ہوگیا تھا کہ آپ کو قرآن سے ربط منفرد حاصل تھا اور قرآن میں آپ نے اپنے
لیے نورِ ہدایت، ضیاء و شفاء، رحمت ذکر، حب الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے باوفا محبت کے کمالات کا وسیلہ جلوہ گر پایا۔
آپ احتیاطاً کبھی وعظ تقریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر تصوف و تفسیر
فقہ و حدیث کے معارف و نکات کی توقیر دکثرت اس حد تک پہنچ جاتی تھی کہ عشاء کے

وقت تقریر شروع ہوئی تو بمشکل تہجد کے وقت تک ختم ہو سکی۔ گھنٹوں یہ تقریر جاری رہی، بڑے بڑے زعماء، علماء اور فصحاء آپ کی تقریر نہایت اشتیاق سے سن کر مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے کرامات معنوی اور کرامات حسی بکثرت موجود ہیں۔ اولیاء اللہ کے کرامات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے معجزات ہیں۔ اور یہی کرامات اولیاء اللہ کے لیے ہے

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ

فقیر کے کرامات فقیر کے تاج و تخت اور اعوان و اعیان ہیں۔ فقیر کے کرامات سے اس کے فقر کی تائید ہوتی ہے۔ کرامات معنوی اور کرامات حسی سے اسے تائید ملتی ہے، اور اس میں شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت حافظ سید ظہور الحسین (رضوان اللہ علیہ) سجادہ نشین ہفتم نے اپنے فقر کے تاج و سریر و سپاہ کے اعوان و اعیان سے مریدوں کی خوب امداد فرمائی اور دربار قادریہ فاضلیہ کو بہت مستحکم فرمایا۔

آپ کے کرامات

کئی بار یہ ہوا کہ امساک بارش کا زمانہ دراز ہو گیا اور علاقہ کے لوگ آپ کی خدمت میں نماز استسقاء کے لئے ملتجی ہوئے۔ مسلمانوں کے ساتھ نماز استسقاء ادا فرمائی اور باران رحمت نے نہایت فیاضی سے خلائق کی مقصد براری کر دی۔ ایک واقعہ اس ضمن میں بہت دلچسپ ہے جو کہ حضرت مرشدی و مولائی والدم (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) نے کئی بار ذکر فرمایا تھا اور اسی واقعہ کو کئی غیر مسلم لوگوں نے بھی بیان کیا جو کرامت دیکھ کر متاثر ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ بارش بند رہی۔ کئی مہینوں بارش کا امساک زمینداروں کے لیے روح فرسا ہو گیا تھا۔ دوسرے لوگوں اور مویشیوں کے لیے بھی ایک بڑی مصیبت تھی۔ پریشانی ہر سمت متلاطم تھی۔ آپ کی توجہ نماز استسقاء کے لیے مبذول

کرائی گئی۔ آپ نے شہر بٹالہ کے مسلمانوں کو شہر سے باہر نمازِ استسقاء کے لیے مجتمع کیا اور نمازِ استسقاء سے فارغ ہو کر سخت دھوپ میں آپ بغداد شریف کی سمت کھڑے ہو گئے اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور اسی ہیئت پر بہت طویل مدت گزر گئی۔ جس میں تو لوگوں کو یہ خیال دامنگیر ہو گیا کہ آپ نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک بارش نہ ہو گی آپ دُعا سے دست کش نہیں ہوں گے۔ غیر مسلم لوگوں کا بھی ہجوم تھا۔ کیونکہ انہیں بھی بارش کی انتظار شدید تھی۔ وہ منتظر تھے کہ حضرت موصوف کی کرامت دیکھیں۔ بالآخر سحابِ کرم آسمان پر نمودار ہُوا۔ یہ سیاہ مست بادل جوش میں آسمان پر چکر لگانے لگا۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا جواب لیکر آیا تھا۔ آغوشِ سحاب میں وہ جوشِ استجابت تھا کہ اس کا ضبط چند ساعتوں کے لیے بھی نہیں ہو سکا۔ بارش شروع ہو گئی اور اس زور سے ہونے لگی کہ آپ مع رفقاء کے بٹالہ شہر میں اسی شدتِ بارش میں پہنچے اور سڑکوں، کوچوں، کھیتوں میں بارش کے پانی کا ایک سیلِ رواں تھا۔ میں اس بارش کو المطر الجود کہوں گا کیونکہ المطر الجود وہ موسلا دھار بارش ہے جس کی نظیر نہ مل سکے ؎ ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک

آپ کی کرامات کی ایک نوع ان واقعات پر مشتمل ہے جو کہ باوجود بصارتِ ظاہری آپ کی حقائق بینی کے متعلق ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ چند علماء کرام آپ کی خدمت میں آئے جب کہ آپ پشاور تنظیم مریدین کے لیے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ سے ایک فقہ کے مسئلہ پر گفتگو کی تو آپ نے اپنے مؤقف کی تائید میں شامی کا حوالہ دیا جو کہ فقہ کی مستند اور ضخیم کتاب ہے۔ چنانچہ شامی کی کتاب منگوائی گئی اور آپ کی خدمت میں جو علماء کرام موجود تھے ان سے آپ نے مذکورہ مسئلہ فقہ شامی سے نکالنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے باب تو پیش کر دیا مگر مسئلہ موضوع اس کتاب میں علماء کو نہ مل سکا تو آپ نے خود کتاب شامی اپنے دستِ مبارک میں پکڑی اور ایک ساعت

میں اس کتاب سے ان سطور پر اپنی انگلیوں سے اشارہ فرما کر کہا۔ یہاں سے وہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ علمائے کرام نے دیکھا تو واقعی آپ کا ارشاد درست تھا۔

اس کرامت کو دیکھ کر نہ صرف پشاور کے دیگر علمائے کرام نے بلکہ پشاور کے قرب و جوار کے اکثر مسلمانوں نے اس کرامت کا حال سن کر آپ کے دیدار سے مشرف ہونے کا فخر حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کے مظہر فیض کی خدمت میں ہر ایک نے گویا عرض کیا ؎ آں کرم کن کہ در جہانِ خراب

تازیم مے خورم زساغر تو

اسی نوع کا ایک واقعہ ایک عدالتی کارروائی کے اثنا میں بمقام گورداسپور آپ کے دستِ مبارک سے ظہور پذیر ہوا جو کہ انگریز جج کے روبرو آپ کی کرامت کا آرائشِ عنوان ثابت ہوا تھا۔

علاوہ ازیں اولاد کے لیے جو ترستے تھے ہزاروں کی تعداد میں تھے انہوں نے آپ ہی کی درگاہ سے تعویذ حاصل کئے اور بار آور ہوئے۔ رزق ظاہری کے امور میں آپ کی طرف ہزاروں لوگ سائل وار آئے اور آپ کی دعاؤں سے ان کو اللہ تعالیٰ نے رزاقی کے جلوے دکھائے۔ ترقی عز و جاہ کے شائقین جوق در جوق آپ کی طرف رجوع کرتے۔ درحالیکہ وہ دنیوی اعتبار سے ان کا پایہ خس و خاشاک سے زیادہ نہ تھا مگر وہ بے سروسامان، وہ بے ماحصلان آپ ہی کی دعاؤں سے شان و شوکت سے دم ساز ہو گئے اور سارے جہان میں ان کے پایہ کی بلندی نظر آنے لگی۔

آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ کی تجلّیات فیض نے کثیر التعداد لوگوں کے قلوب کو حضور غوث اعظمؓ کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے وسیلہ سے قلبِ نبوی سے مربوط کر دیا۔ اور الفقر فخری (فقر میرا سرمایہ فخر ہے) حدیث نبویؐ کی دل نوازیاں ان لوگوں کے لیے اس حد تک محبوب ہو گئیں کہ وہ لوگ مقربین بارگاہ الٰہی ہو گئے۔

آپ کے رُوحانی معالی الامور میں سے یہ بھی ہے کہ پیر سید نور حسین شاہ (طاب ثراہ) کو آپ نے کمالاتِ قدسی سے آراستہ فرمایا۔

نور الاسرارِ مقرب الٰہی پیر سید نور حسین (طاب ثراہ) کا خاندان منڈی شریف تحصیل کوٹلی (ضلع میرپور آزاد کشمیر) کے مقام پر رونق افروز ہے۔ آج کل اس خاندان کے سربراہ صفوت سیمار قدسیت سنا، پیر سید آفتاب حسین شاہ ہیں۔ نور الابرار مقرب الٰہی پیر سید نور حسین شاہ (طاب ثراہ) نے درجاتِ قدسیہ کا صلہ حاصل کیا۔ دنیوی فروغ بھی اُن کو ملا۔ انہوں نے دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کی محبت و اطاعت میں مستغرق ہو کر انوار توحید اور اسرار حقیقتِ محمدیہ سے لوگوں کو روشناس کیا اور اپنے ہر عمل سے ثابت کر دیا کہ انہیں جو فیضان کے لیے منتخب فرمایا گیا تھا وہ وضع الشئ فی محلہ (ہر شے کو اپنا حقیقی مقام دینا چاہیئے) کے اصول کی سالمیت پر مبنی تھا۔ یہ اصولِ حیاتِ فرد کے لیے ایسا ہی واجب ہے جیسے حیات الجماعت کے لیے ہے۔ یہ ایسی اساس ہے جس پر انفرادی اور اجتماعی زندگی یعنی نظامِ طریقت کی زندگی قائم ہے۔ پیر سید آفتاب حسین شاہ قادری فاضلی کی قیادت روحانی میں ان کے خاندان کا سلسلہ قادریہ فاضلیہ سے روشن اور پُرکشش اخلاص اور صدق و وفا لامع اور جذب صورت میں قائم ہے۔

حضرت جد امجد سید ظہور الحسین قادری مدرسہ قادریہ فاضلیہ کے اہتمام میں آپ کے تلطفات و تفقدات بیکراں تھے اور اس اہتمام میں نہایت قوی الارادہ اور بلند ہمت تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں دوپہر کے وقت چند لمحات پیشتر از وفات حضرت مرشدی و مولائی والدمؒ کو ارشاد فرمایا۔ لنگر کی تقسیم جلدی کرا دو۔ اس سے یہ مقصود تھا کہ اگر کھانا جلدی تقسیم نہ کیا گیا تو آپ کی وفات سے جو کہ بموجب آپ کے علم کے جلدی ہونے والی تھی۔ آپ کے مدرسہ کے طلبا، و درویشان کو کھانا ملنے میں دیر اور تاخیر ہو جائے گی اور آپ کو یہ منظور نہ تھا کہ طلبا اور درویشان کو یہ تکلیف ہو۔

• دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف میں روایات قدیمی کے مطابق حضرت غوث الاعظمؒ کا سالانہ عرس مقدس ہر سال بڑی شان و شوکت سے ادا فرماتے تھے۔

آپ نے تبلیغ طریقت قادریہ فاضلیہ کے لیے کئی بار مختلف اکناف ملک میں دورہ فرمایا اور آپ ہمیشہ پالکی میں دورہ فرماتے تھے جوکہ ان دنوں بڑی عزت و توقیر کی سواری تصور ہوتی تھی۔ پھر آپ نے تخت رواں کی سواری دو اسپہ گاڑی تیار کرائی اور اس میں سفر فرمایا کرتے تھے۔ پالکی کے اٹھانے کے لیے لوگوں کا اتنا ہجوم جمع ہوجاتا تھا کہ ان میں سے پالکی اٹھانے والے متبوعین کا انتخاب بہت مشکل ہوجاتا تھا۔ کیونکہ حقیقت اللہ یہ ہے کہ جو کوئی آپ کی پالکی اپنے کندھوں پر رکھتا تھا وہ اپنے مقصد میں مظفر اور کامیاب ہوجاتا تھا۔ اس لیے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ پالکی اُٹھائے اور مراد پالے۔

آپ نے اپنے باغات اراضی اور مکانات وغیرہ کا انتظام تصلبؒ خوش تدبیری اور تثبیت عزم کے ساتھ سرانجام دیا۔ دربار میں بالاخانہ کی نہایت پختہ اور خوبصورت عمارت آپ ہی نے زرِ کثیر سے تیار کرائی تھی۔ آپ کو حکومت برطانوی نے موروثی اعزاز پر دانشن درباری کا دیا ہُوا تھا۔ ملکی امور میں بھی آپ ہم عصر شرفائے ملک کے دوش بدوش مصروف تھے۔ آپ سے حکام ملنے کے لیے آپ کے در اقدس پر آتے تھے اور آپ ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ آپ بھی حکام اور زعمائے ملک سے ملنے کے لیے اُن کے پاس جاتے تھے، اور لوگوں کے مصالح اور ملکی مصلحتوں پر گفتگو فرماتے تھے۔

سنگلاخ رہگزاروں اور نشیبؒ فراز راہوں، میدانوں اور کوہساروں کا سفر آپ کی ہمت اور استقلال کے لیے سنگِ راہ نہیں ہوسکا۔ اور آپ نے ان مہماتِ سفر میں کئی بار لوگوں کو حضرت غوث اعظمؓ کی نوازشات پر ناز کرتے ہوئے فرمایا جس وقت میری دُعائیں مریدوں کے لیے عنایت سبحانی اور اعانت ربانی منعطف کرانے سے قاصر ہوجائیں گی۔ یعنی میری دعائیں منقطع الاستجابت ہوجائیں گی تو میں خود اپنے آپ کو مریدوں

سے منقطع کرلوں گا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ مریدوں کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ مایوس فرمائیں۔ وہ ضرور دستگیری فرمائیں گے۔ آپ کے زمانہ سجادہ نشینی میں ہزاروں لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت سید ظہور الحسین شاہ رضوان اللہ علیہ کی وفات بمقام بٹالہ شریف ۱۰ شوال ۱۳۱۷ھ کو وقوع پذیر ہوئی اور آپ کا مزار اقدس دربار قادریہ فاضلیہ کی خانقاہ معلیٰ میں بمقام بٹالہ شریف ہے۔

وضوح اشراقات حقیقت محمدیہ لموع لمعات انوار قادریہ فخم فحول الطریقت فخر اجاویدا لحقیقت الانوار الراصل الحسیب النسیب المصلح الجلیل العارف الکامل حضرت

سید نذر محی الدین قادری سجادہ نشین ہشتم دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف

(رضوان اللہ علیہ)

حضرت عارف کامل سید نذر محی الدین قادری (رضوان اللہ علیہ) اپنے والد ماجدؒ کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں منسلک ہوئے تھے اور تقریباً انیس سال کی عمر میں تھے جب ۱۹۰۰ء میں بتاریخ ۱۰ شوال ۱۳۱۷ھ کو آپ کے مرشد امجد والد ماجد کی وفات ہوگئی تھی۔ آپ سجادہ نشینی کے منصب عظیم پر جب فائز ہوکر دربار قادریہ فاضلیہ کی سروری نورانی مہمات متیمنات میں ہمگی ہمت مصروف ہوئے اس وقت آپ کی عمر تقریباً انیس سال تھی۔ آپ بمقام بٹالہ شریف پیدا ہوئے اور ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ کو بمقام لاہور آپ کی وفات ہوئی اور حضرت محمد طاہر بندگیؒ کی درگاہ اقدس کے قریب آپ کی تدفین ہوئی جہاں آپ کے مزار پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔

آپ کی سیرت نگاری سے پیشتر مناسب ہے کہ اردو شاعری کے مشہور شاعر کا

نظریہ ممدوح کی تعریف کرنے کے متعلق تحریر کردوں جو میری کم بضاعتی پر تصادق آتا ہے ؎

من ذرّہ تو خورشید من مدح تو حاشا

(میں ایک ذرہ ہوں اور آپ سُورج ہیں۔ اس لیے میرا آپ کی مدح میں پورا اترنا خارج از بحث ہے۔ مگر عشّاق کا شیوہ ہے کہ ممدوح کی مدح کرنے میں ولولۂ شوق کی وجہ سے جرأت و جسارت کر لیتے ہیں ؎

خواہم کہ زجوشِ نفس و ولولۂ شوق   برشیوۂ عشاق کنم مدح تو انشاء

آپ کی تعلیم کا انتظام آپ کے والد ماجد مرشد امجدؒ نے فرمایا تھا۔ حافظ محمد رمضان مرحوم نے آپ کو مبادی العلوم میں تعلیم دی تھی جو ضلع گجرات کے متوطن تھے اور زہد و ورع اور صدق و وفا سے ان کو فطری مناسبت تھی اور انہوں نے زندگی کا بیشتر حصّہ دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف ہی میں گزارا تھا۔ حضرت عارف کامل سید ندر محی الدین قادریؒ کی ابتدائی تعلیم کے بعد بھی حافظ محمد رمضان مرحوم نے اپنے مرشد حضرت سید ظہور الحسینؒ کی خدمت ہی میں تعلق اختیار کئے رکھا اور حضرت عارف کامل کی سجادہ نشینی کے عہد میں بمقام بٹالہ شریف فوت ہو گئے تھے۔ مولوی محمد عالم مرحوم مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مولانا سید احمد علی مرحوم (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور) خطیب شاہی مسجد لاہور کو مختلف اوقات میں علوم تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف کی تعلیم کے لیے تعین فرمایا گیا۔ اس وقت مولوی محمد عالم مرحوم مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تعین نہیں ہوئے تھے اور مولانا سید احمد علی مرحوم اس وقت تک لاہور میں متمکن نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے بٹالہ شریف ہی میں ان کو دربار قادریہ فاضلیہ میں تدریسی امور پر کچھ وقت کے لیئے فائز ہونے کا موقع ملا تھا۔ اُن کی اس زمانے کے تمام بڑے بڑے علمائے کرام میں علمی منزلت مسلمہ تھی۔ کثیر العلم تھے ان علمائے کرام نے آپ کو مذکورہ علومِ ظاہری سے آراستہ فرما دیا تھا۔

حضرت عارف کامل کا لطیف مزاج تھا۔ طبعاً نفاست و لطافت پسند تھے۔ نازک

اور نہایت خوش جمال جسم تھا۔ حدت فہم و ذکا آپ نے وراثت میں لی ہوئی تھی۔ آپ کا خاندان علم وعمل کا گہوارہ تھا۔ اس مہدِ علم میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ آپ کے والد ماجد مرشد امجد علم وعرفان کے مجمع البحرین تھے اور آپ ان کے محبوب فرزند تھے۔ آپ نے ان سے وہ علمی و روحانی تربیت حاصل کی تھی جو کہ طلائے خالص کا حکم رکھتی تھی۔ آپ کے خلقِ عظیم کا سورج آپ کی تمام زندگی میں کسی وقت بھی گہنا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی آپ کے خلقِ عظیم کے سورج کو کبھی کسوف وگہن عارض ہوا۔

آپ کی ذمہ داریاں ایسے وقت آپ کو سپرد ہوئی تھیں جبکہ آپ کو عمر کے لحاظ سے غموامض مسئولیات کے اثقال برداشت کرنے کے لیے غیر معمولی تائیداتِ الٰہیہ کی ضرورت تھی۔ آپ کے والد ماجد مرشد امجدؒ نے سلسلہ عالیہ قادریہ فاضلیہ کی عظمت و وجاہت اور اپنے خاندان کی عزت و رجاہت کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ایک نیا استحکام دینے کا اقتضا محسوس کر لیا ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی سجادہ نشینی کے تقریباً ستائیس سال اس مقصد کے لیے صرف فرمائے اور ایک ایسا قالب تعمیر فرما دیا جس میں قلب کی حیثیت آپ کے محبوب فرزند اور مرقعِ کمال سجادہ نشین حضرت عارف کامل سید نذر محی الدین قادریؒ نے حاصل کی۔ چنانچہ آپ نے اپنے والد ماجدؒ کے کمالاتِ عرفان اور ان کی سلسلہ قادریہ فاضلیہ کی روایات سے والہانہ شیفتگی کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں مشہود کیا۔ حضرت عارف کاملؒ کمالات کے لحاظ سے وہ تاریخ تھے جو کہ ان کے والد ماجد مرشد امجدؒ کے گویا حضرت عارف کاملؒ کی صورت میں اپنی خود نوشت تاریخ تصنیف فرما دی تھی۔

عظمار محققین صوفیا رسلوک کے سلسلہ نے طریقت کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض برگزیدہ عرفا میں سے جس کو چاہیے سلسلہ طریقت سے نوازتا ہے۔ بایں طور کہ ان سالکین کو ایسے اذکار وافکار القاء ہو جاتے ہیں جن سے سالک منازل عالیہ طے کرنے میں تائید یافتہ ہونے لگتا ہے اور سالک اپنے مرشد کے توسل سے

ہی یہ رتبہ حاصل کرتا ہے ۔ مگر یہ اذکار و افکار طریقت سلوک کی ماہیت نہیں ہوتے بلکہ یہ اذکار و افکار اس طریقت سلوک کے عوامل متصور ہوتے ہیں۔ اس ہی لیے اولیاء اللہ کے اذکار و افکار میں تفاوت درجات موجود ہے اور اس طریقت سلوک (سلسلہ سلوک) کا مستقر اللہ تعالےٰ کی مشیت میں قائم ہوتا ہے اور وہاں موجود رہتا ہے اور اس کا ظرف و محل عالم ناسوت میں ہوتا ہے۔ وہ ظرف و محل اس سلسلۂ سلوک کا محافظ ہوتا ہے جس کی ذمہ داری اس سلسلہ سلوک کی قیومیت ہوتی ہے اور ملاء اعلیٰ میں جب تک اس سلسلۂ سلوک کا مستقر قائم رہتا ہے اس عالم ناسوت میں اس کے محل و ظرف یعنی محافظ کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے رہتے ہیں۔ حفاظت سے مراد اس محافظ کے عظیم الشان فیضان عرفان کی حفاظت ہے جس کی وجہ سے وہ خلائق کے رشد و ہدایت کا واسطہ ہوتا ہے اور اس ہی حفاظت میں اس محافظ کی اس تسخیر کی حمایت و حفاظت بھی داخل ہے جو ہمہ گیر احتواء لئے ہوئے مخلوق خدا کی ظاہری و باطنی و روحانی مشکلات میں دستگیری کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیع وسائل کو اس محافظ کے لیے مسخر فرماتا ہے اور اس محافظ کو سلسلۂ سلوک کی حفاظت کے لیے مسخر فرماتا ہے محافظ کا سلسلہ کے لیے مسخر ہونا اس سے رتبہ و منصب کے حال کا تقاضا ہے اور اس لیے اس تسخیر کو تسخیر بالحال کہا جائے گا۔ طریقت سلوک یعنی سلسلۂ سلوک کے محافظ کو ایسا مستقل شرف عطا ہوتا ہے جو پتھر کی اس لکیر کی طرح ہوتا ہے کہ جب تک پتھر کے جوڑ جوڑ الگ نہ کئے جائیں اور اس کے اجزا کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیا جائے یہ لکیر اس پتھر سے زائل نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی ملاء اعلیٰ اس محافظ کی تربیت و شفقت میں لگی رہتی ہے اور عالم ناسوت والے اس کی توقیر و تائید میں مصروف رہتے ہیں۔ اس محافظ سلسلۂ سلوک کا مخصوص مقام ہوتا ہے اور اس سلسلۂ سلوک کا یہ مخصوص مقام اس کو ملتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ملاء اعلےٰ سے مدد ملے اور وہ تدلیٰ اعظم کی مخصوص رحمت سے بہرہ یاب ہو۔ ہر عارف کو یہ نعمت نصیب

نہیں ہوتی خواہ وہ عارف بڑی عظیم معرفت ہی پا چکا ہو۔ اس نعمت کے لیے جبلّت و فطرت کو بہت مؤثر تثبیت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ہر شخص کا یہ منصب نہیں ہوتا کہ وہ طریقت سلوک کی حفاظت کر سکے بلکہ اس منصب کے لیے جبلّی و فطری استعداد ہوتی ہے جس کے مطابق اللہ تعالےٰ اس شرف سے کسی کو مختص فرماتے ہیں۔

تعزروہ و توقروہ (اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم بجا لاؤ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشادِ الٰہی ہے مگر آپ پر نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے اولیاً اللہ کے وجود میں آں حضورؐ کی بعثت کے لیے نشاۃ ثانیہ متحقق ہوئی اور تعزروہ و توقروہ کا یہ عمل ان اولیاء اللہ کے حق میں متجلّی ہوا۔

تدلی اعظم مذکور کے متعلق یہ وضاحت کر دینی چاہیئے کہ یہ اصطلاح تصوف ہے جس کا ماخذ قرآن حکیم کا ارشاد (ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین) ہے۔ کمالات تجلّیاتِ الٰہیہ کی صورت میں دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان تجلیات الٰہیہ کا وجود جس تصرف سے متعلق ہے اسے تدلی کہا جاتا ہے۔ اس تدلی کا تخیّل حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شفقت میں بھی موجود ہے جو حضورؐ نے مخلوقِ خدا کے لیے تصرف فرمائی ؎

کند با خواجگی کارِ غلامی

میں اسی ہی تدلی کا تخیّل ہویدا ہے۔ تدلی میں یہی تصور جاگزیں ہے اور جب ارفع اپنے سے تحت کی طرف آتا ہے تو اس کی ارفعیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ تحت کی سربلندی ضرور وجود میں آجاتی ہے۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے حضرت عارف کامل سیّد نذر محی الدین قادری سجادہ نشین ہشتم دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف (رضوان اللہ علیہ) کی سیرت کا ایک حصّہ متصور ہوتا ہے۔ حضرت اعلیٰ سیدنا سید محمد فاضل الدین قادریؒ کو سلسلہ قادریہ فاضلیہ عنایت ہوا۔ اور اس کا مستقر اللہ تعالیٰ کی ملاءِ اعلیٰ میں موجود ہے۔ اس سلسلہ سلوک کی حفاظت کے لیے

حضرت اعلیٰؒ کے بعد اولی السجادہ القادریہ الفاضلیہ یکے بعد دیگرے متمکن ہوتے رہے جو کہ برکات تدلی اعظم سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ حضرت عارف کامل سید نذر محی الدین قادری رضوان اللہ علیہ جب سجادہ نشینی پر جلوہ آرا ہوئے تو آپ کی جبلی و فطری استعداد نے سیدنا سید محمد فاضل الدین ابو الفرح قادریؒ کے حضور میں تحدیث بزبان حال یوں کی ؎

بیک کرشمۂ صوفی و شم قلندر کن

(آپ مجھے اس کرشمہ نظر سے صوفی قلندر بنا دیجیے) چنانچہ حضرت اعلیٰؒ کے کرشمۂ التفات سے آپ کی سجادہ نشینی کی آفرینش سے ہی آپ کو ان کمالاتِ محافظ کی تاجوری مل گئی جو کہ میں نے عظمائے محققین اولیاء اللہ کے ارشادات سے اخذ کر کے مذکورہ سطور میں تحریر کئے ہیں۔ حضرت عارف کامل سید نذر محی الدین قادری (رضوان اللہ علیہ) کو سلسلہ سلوک کے تحفظ کی اقدار کی سریت کا اچھی طرح ادراک ہو چکا تھا۔ وہ جذبۂ تحفظ مذکور کا اپنی آنکھوں میں خاص ٹھنڈک اور سرور محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ محافظ سلسلۂ سلوک کی آنکھ اس تحفظ سلسلہ سے ایک غیر معمولی ٹھنڈک اور سرور محسوس کرنے لگتی ہے۔ اس حفاظت کی وجہ سے اسے مشاہدہ حق ہوتا ہے۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ حفاظت سلسلہ سلوک مقتضی الٰہی ہے۔ متواتر ارتقاء اس سلسلۂ سلوک میں بانواع ظہور ظاہر ہوتا ہے۔ اور کُلَّ هُوَ فِی شَانٍ کے شواہد اس ارتقاء کے مظاہر میں جلوہ گری کرتے ہیں۔ اگر سلسلہ سلوک میں بہر نوع ترقی نہیں ہوگی تو وہ بھی حفاظت کے تقاضوں کی خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ حدیث نبویؐ کا مضمون ہے کہ جس کے دو روز ایک ہی طرح کے برابر ہوں یعنی دوسرا دن ترقی پر نہ ہو۔ اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس کے دن برابر نہیں ہیں بلکہ زوال پذیر ہیں۔

سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے ہر ایک شعبہ میں حضرت عارف کامل نے درخشاں ترقی پیدا کر دی۔ دربار قادریہ فاضلیہ کے سالانہ اجتماع یعنی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سالانہ عرس مقدس ہر سال آپ نے نہایت ولولہ و شیفتگی سے قائم کئے رکھا اور اس تقریب کی

و نور ترقی اور فراوانی حسن اہتمام ہر سال کا معمول بن چکا تھا۔ ملک پاک و ہند برصغیر کے مختلف اطراف سے لوگ جوق در جوق آکر اس تقریب میں شامل ہوتے۔ کھانا بطور تبرک بکثرت تقسیم کیا جاتا۔ ہزاروں لوگ اس تبرک کو اپنی سعادت مندی اور بخت بلندی کا ذریعہ سمجھ کر بڑی عقیدت سے حاصل کرتے۔ خانقاہ معلی پر ختم، دربار کے حجرہ مقدسہ میں تجلیات، صلوات کی تنویر دربار عالیہ صبح کے وقت مجلس مواعظ و خطبۂ عرس اور قوالی بلا مزامیر، ہزاروں زائرین کے قیام کا انتظام، ہزاروں زائرین جب اپنے گھروں اور اوطان کی طرف مراجعت کرتے تو ان پر حضرت غوث اعظمؓ کی محبت کا رنگ اس طرح جاری و ساری ہوتے دکھائی دیتا کہ ان کی روح میں کئی گنا وسعت و رونق پیدا ہو گئی ہے۔

مجلس مذکورہ میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء خطبۂ عرس کی تقریر کرنے کو اپنے لیے جلائل مفاخر کی علامت سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولانا احمد علی خطیب شاہی مسجد لاہور و معلم عربی اسلامیہ کالج لاہور، اور مولانا اصغر علی روحی مولوی فاضل ایم۔ او۔ ایل صدر معلم (شعبہ عربی) اسلامیہ کالج لاہور، اور مولینا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور، مولوی فیض میراں ایم۔ اے (رحمت اللہ علیہم اجمعین) نے اس عرس مقدس کی تقریب پر کئی سال مختلف زمانوں میں حضرت عارف کاملؒ کی سجادہ نشینی کے دور میں خطبۂ عرس مقدس کی تقریر کرنے کا شرف حاصل کیا۔ مولانا اصغر علی روحی ایم او۔ ایل نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اس عرس مقدس کی متواتر حاضری سے میرا قلب منور ہو گیا ہے۔ مولینا ابو الحسنات نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں سال بھر میں سینکڑوں تقریبوں پر تقریر کرتا ہوں مگر میں اس عرس مقدس کی تقریب کے لیے تمام سال والہانہ طور پر منتظر رہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بٹالہ شریف کے دربار کی یہ تقریب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی توجہات شفقت کا مرکز ہے اور انوار قدسی اس مجلس میں موج در موج وارد ہوتے ہیں۔

عرس مقدس کے دعوتی خط کے مضمون کی تسوید و تحریر حضرت عارف کاملؒ نے

میرے سپرد فرمار کھی تھی۔ ۱۹۲۷ء سے سالانہ عرس مقدس کی تقریب کے اوضاع و اطوار کا تحفظ اور اس کے کلیات و جزئیات کو میری ذمہ داری قرار دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت سے اب تک میرے دل میں عرس مقدس کی تقاریب کے متعلق اس حد تک صدق دل متراکم ہے اور اس کے متعلق ذوقِ یقین کا وفور شعور ہر لحہ اس قدر موجزن ہے کہ اس تقریب کے فیوض معنوی کے پیش نظر حال یہ ہے ؎

خمارِ بے حد من بجر با ہمی طلبد

تمام سال منسلکین و متمسکین سلسلہ میں سے جو کوئی بھی ملتا ہے اس سے اوّل و آخر یہی کہتا ہوں کہ عرس شریف پر ضرور آؤ۔ میں سمجھتا ہوں عرس مقدس سے میری یہ شیفتگی اور یہ استغراقِ صدق دراصل حضرت عارف کاملؒ ہی کی توجہ کی تاثیر ہے اور ہر سال میری طرف سے ہزاروں وابستگان کو جو خطوط عرس مقدس کی اطلاع کے لیے ارسال کئے جاتے ہیں۔ وہ دراصل توجہ موصوف ہی کی عنبریں نسیم ہے ؎

گھر گھر پھرے ہے جھانکتی ہر صبح جو نسیم
پردے میں کوئی ہے کہ یہ اس کا سراغ ہے

عرس شریف کے یہ اطلاع نامے جھانکتے پھرتے ہیں کہ کس کس شخص کے دل میں عظیم الشان عرس مقدس کی حاضری کے لیے نورِ مسابقت الی الخیر موجود ہے۔

حضرت عارف کاملؒ کے قلب میں اس تقریب سعید کی محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دل میں دنیا کی ہر تقریب پر عرس مقدس کی تقریب کو فوقیت ملی ہوئی تھی۔ اس پر کئی شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ایک قابلِ ذکر واقعہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت عارف کاملؒ انگریزی عمل داری میں پراونشل درباری کے اعزاز سے بھی آراستہ تھے۔ یہ اعزاز اس حکومت انگریزی نے نہایت پرشکوہ اور مطمح کشش اعزاز وضع کیا ہوا تھا برصغیر پاک و ہند کے صوبہ پنجاب میں گنتی کی چند شخصیات کو یہ رتبہ پراونشل درباری کا دیا گیا

تھا۔ جن کو گورنر صوبہ، وائسرائے ہند اور برطانیہ کے بادشاہ کے درباروں میں والیانِ ریاستہائے صوبہ کے ساتھ نشست ملتی تھی۔ ان کا رتبہ درباروں میں ایک لحاظ سے ممبرانِ اسمبلی اور وزراء سے بھی بلند تر ہوتا تھا۔ جب گورنر سے ملاقات کے لیے پراونشل درباری گورنر ہاؤس جاتے تھے تو گورنر اپنے قصرِ گورنری کے دروازے پر ان کے استقبال کے لیے آتے تھے۔ حضرت عارف کامل کو یہ اعزاز وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والد ماجد اور آپ کے جدِّ امجد بھی حکومت انگریزی میں اس اعزاز سے عزت پا چکے تھے اور آپ اس کے اوضاع و اطوار کی بڑی قدر فرماتے تھے اور درباروں میں ضرور شمولیت فرماتے تھے۔ اپنی تمام عمر میں آپ نے صرف ایک پروانشل دربار میں شرکت نہیں فرمائی جو کہ وائسرائے ہند کی آمد پر لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ وجہ عدمِ شمولیت یہ تھی کہ اس پراونشل دربار کی تاریخ انعقاد عرسِ مقدس کی تاریخ انعقاد سے متصادم تھی۔ آپ نے گورنر کے چیف سیکرٹری کو اعتذار کا خط مجھ سے تحریر کرایا جس میں وائسرائے ہند کے دربار میں شامل نہ ہونے کے وجوہ استدلال مرقوم تھے۔ آپ نے عرسِ مقدس کو وائسرائے ہند کے دربار پر ترجیح دے دی۔

گورنر نے ایک مراسلہ حضرت عارف کامل رح کو بھیجا جس کا خلاصہ تھا کہ آپ کی عدمِ شمولیت سے وائسرائے ہند کے دربار کی استہانت مترشح ہوتی ہے اور وجوہ متذکرہ اعتذار ناکافی ہیں۔

اس مراسلہ کا جواب مفصلاً تحریر کرنے کا حکم آپ نے مجھے دیا تو میں نے مبسوط خط گورنر صاحب کے چیف سیکرٹری صاحب کو ارسال کر دیا جس میں وضاحت کی گئی کہ سالانہ عرسِ مقدس کے عز و اعتلا کے پیشِ نظر منطقی نتیجہ یہی تھا کہ اس کی شمولیت راجح اور وائسرائے ہند کے دربار کی شمولیت مرجوع ہو۔ میرا استدلال یہ تھا کہ جس شخصیت کا راس المال دین ہو یعنی دین اصل کی حیثیت رکھتا ہو اس کی دنیا راس المال کا نفع (یعنی فرع) ہے۔ لہٰذا وہ از روئے عقل و دانش دین کو ترجیح دینے میں عافیت سمجھے گا۔

سر میاں فضل حسین مرحوم جو کہ ان دنوں پنجاب کی حکومت کے مقتدر وزیر تھے اور حضرت عارف کاملؒ سے ان کو عقیدت تھی ان کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے چیف سیکرٹری کو مشورہ دیا کہ حضرت سجادہ نشین بٹالہ شریف کا موقف عین صواب ہے، چنانچہ چیف سیکرٹری صاحب نے جو کہ ان دنوں انگریز (آئی۔سی۔ایس) تھے اور بعد میں گورنر پنجاب بھی ہو گئے تھے۔ انہوں حضرت عارف کاملؒ کی خدمت میں اپنے اعتراض پر پشیمانی کا اظہار کیا اور حضرت عارف کاملؒ کے موقف کو درست قرار دیا۔

حضرت عارف کاملؒ نے دربار قادریہ فاضلیہ کے سلسلۂ سلوک کی حفاظت کے لیے جو راہیں اختیار کیں ان میں سے ایک، راہ یہ تھی کہ مدرسہ قادریہ فاضلیہ کی ناموس افزائی کے لیے تدبیروں کو بطریق احسن عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ میری تعلیم و تربیت میں بھی خاندان کی اس علمی شمع کو فروزاں رکھنے کے لیے ایک مرکزی تصوّر متحرک تھا۔

میری عمر سات سال کی تھی جب ایک مولوی صاحب کو جو کہ سہارنپور (یوپی۔ ہند) کے مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے مدرسہ قادریہ فاضلیہ کا معلّم متعین کر دیا گیا۔ اس وقت مَیں ہی اکیلا طالب علم تھا جو کہ مولوی صاحب سے مدرسہ قادریہ فاضلیہ میں صرف و نحو (عربی) کی تعلیم پاتا تھا۔ مَیں ان دنوں انگریزی سکول میں بھی داخل تھا اور وہاں سے فراغت پا کر دربار میں مولوی صاحب سے پڑھا کرتا تھا۔ میں نے بٹالہ کے مونسپل بورڈ ہائی سکول میں تعلیم پا کر پنجاب یونیورسٹی کے میٹرک کا درجہ طے کر کے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ حاصل کر لیا۔

مَیں یہ واقعات اس لیے درج کر رہا ہوں کہ اس سے حضرت عارف کاملؒ کے ان ذاتی عواطف و رجحانات کی تحدید و تعیین کا علم ہو سکے جو کہ حضرت موصوف کے سلسلۂ سلوک کے تحفظ کے لیے فطرت کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے یہ عواطف و رجحانات دنیا کے حالات تدریجی تبدیلی سے ہر لمحہ تدریجی ارتقاء پاتے رہتے تھے۔ اور آپ کی فکری

اساس کی بنیاد پر وہ تجدد آگاہی بھی قائم ہے جس کی وجہ سے آپ نے دربار کے سلسلہ روحانی اور اپنے خاندان کے تجدد فکر و عمل کی تشکیل فرمائی۔ اس وقت آپ کی یہ خواہش تھی کہ میرے لیئے عربی کی تعلیم کے علاوہ انگریزی تعلیم بھی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ لاہور میں اسلامیہ کالج میں تعلیم کے علاوہ مفتی عبدالقادر مرحوم اور مولوی ابوالرشید محمد عبدالعزیز مرحوم کو مامور کیا گیا کہ میری اقامتگاہ پر مجھے فقہ، ادب اور منطق کے نصاب کی کتابیں پڑھائیں۔ میں نے لاہور کے قیام ہی میں کالج کی تعلیم کے علاوہ مولوی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اس کے بعد مولوی عالم اور مولوی فاضل اور منشی فاضل کے تمام نصاب کی تکمیل مدرسہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف میں کر کے امتحاناتِ یونیورسٹی میں کامیابی حاصل کی۔

پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ بالا نصاب پر مستزاد وہ کتابیں مدرسہ مذکورہ میں بالاستیعاب پڑھیں جو کہ قدیمی درسگاہوں میں منتہی درجہ کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ یوں تو ان دنوں مولوی فاضل و منشی فاضل وغیرہ کے نصاب میں بھی وہ کتابیں داخل تھیں جو علوم و فنون کے قدیمی مدارس میں مروج تھیں۔ مگر میرے اساتذہ کرام نے نصاب کے علاوہ ان علوم و فنون کی ان کنوز سے بھی مجھے خوب روشناس کرایا جو کہ متقدمین عالی پایہ مفکرین، مفسرین اور معروف محققین منطقیین کی تصانیف کے معادن اور گنجینوں میں مرتکز ہیں۔ اس جادہ نوردی سے میرے دل میں ایک مخصوص جذبہ مطالعہ پیدا ہو گیا۔ وہ جذبہ بذل المہجۃ فی المطالعہ تھا۔ وہ اساتذہ خود بھی چھ گھنٹے تدریس کی تیاری کے لیے مطالعہ میں صرف کرتے اور پھر میرے لیے چھ گھنٹے تدریس میں صرف کرتے۔ انہیں سوائے میری تعلیم کے کوئی مصروفیت نہ تھی۔

ان سارے علمی مجاہدات میں میرا مرکزی تصور استرضائے مرشدؒ تھا۔ حضرت عارف کاملؒ نے مجھے اکثر اوقات سلسلہ قادریہ فاضلیہ کی ارتقاء و نشو و نما کی خاطر زندگی کو مختص کرنے کے لیے اشارہ سے اور تصریح کے ساتھ متوجہ فرمایا تھا۔ اسی لیئے میں نے عزیمت جزم کر لیا تھا کہ جہاں تک علمی مجاہدات کا تعلق تھا باوجود کم مائیگی احوال کے میں محنت اور جستجو میں

کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا۔ میں نے خود اپنے لیے اساتذہ کرام کا انتخاب کیا۔ ان کے حقوق کا تعین کیا اور حضرت عارف کامل سے اپنے اساتذہ کے لیے مراعاتِ متوافرہ کی منظوری حاصل کی اور ان کے مصالحِ رفاہیت کا انتظام انتساق میں نے خود سرانجام دیا۔ اپنے لیے کتابیں لاہور (پاکستان)، بمبئی (ہندوستان) اور مصر سے منگوائیں۔ اساتذہ کی امداد مطالعہ کے لیے کتاب شروح اور حواشی نہایت گراں قیمت صرف کر کے مہیا کیں۔ مجھے یاد ہے بعض کتابیں لاہور سے ایک یا دو روپیہ میں دستیاب ہو سکتی تھیں لیکن میں نے وہی کتابیں مصر سے ایک سو روپے اور دو سو روپیہ فی کتاب کے حساب سے منگوائیں۔ کیونکہ نامور منطقیین محققین اور سربلند والا پا اُدبا کے شروح اور حواشی ان کتابوں کو مزین کئے ہوئے تھے۔ یہ مصارف جلیلہ حضرت عارف کامل نے تحفظ کے سلسلۂ سلوک کے لیے ہی برداشت فرمائے۔

میرے اساتذہ کرام میں مولوی احمد علی صاحب گجراتی بھی ہیں جن سے میں نے مبادی العلوم کا اکتساب کیا۔ مولوی صاحب موصوف جید عالم اور معیاری معلّم ہیں۔ ذہین محنتی ہیں اور علوم دینی میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ مولینا سید عبدالغفور لکھنوری یوپی (ہندوستان) سے میری تعلیم ہی کے لیے آئے تھے۔ معقول مشاہرہ پر ان کی تعیناتی کی گئی۔ صوفی منش، متقی، متورع تھے۔ مولانا محمد نورالحق مرحوم ضلع کیمبلپور کے متوطن تھے۔ بعد میں لاہور ہی کو اُنہوں نے اپنا وطن بنا لیا۔ دیوبند (انڈیا) کے دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے۔ پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل، منشی فاضل تھے۔ سندھ کے ایک بہت مشہور مدرسہ عربیہ کے صدر معلّم تھے اور پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج لاہور میں بھی معلم کے منصب پر فائز رہے تھے۔ سریع الخاطر، شدید الذکا تھے۔ علوم منقول و معقول میں واقعی بحرِ ذخار تھے ان سے میرا عرصہ تلمذ طویل تھا۔ اُنہوں نے منتہی درجہ کی تمام کتابیں مجھے بٹالہ شریف میں تدریس کی تھیں۔ میرے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ منطق اور ادب عربی کے اعتبار سے ہمارے

میاں صاحب جامع الفضیلتین ہیں۔ مولانا موصوف کو ان مضامین میں بہت تفوق حاصل تھا۔ علم ادب میں شہسوار قلم تھے۔ بہت دل آویز مضمون آرا تھے۔ ان کے عربی مضامین اور فارسی عبارت میں اعلیٰ فصاحت اور گوہر بار بلاغت پائی جاتی تھی۔ علم منطق مع اپنی تمام وسعتوں اور نادر الوجود خزائن کے مولانا موصوف میں متجلّی اور متموج تھا۔ اور معقولات میں ان کا استکشار استبحار متقدمین زعماء منطقیین کے معیار کے مماثل تھا۔ سندھ، پنجاب اور صوبہ سرحد میں منتخبہ العلماء متصور ہوتے تھے۔

مولانا سلطان احمد گنجوی مرحوم نے فقہ، اصول فقہ، معانی حدیث، تفسیر کی کتابیں نہایت محنت اور وفورِ شوق سے مجھے بٹالہ شریف میں پڑھائی تھیں۔ مولانا کا تبحر علم، دقت نظر، تعمقِ فکر اور محنت مسلمہ حقائق ہیں۔ درویش سیرت عالم تھے۔

مجھے ۱۹۲۷ء میں مدرسہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کا انتظام و انتساق تفویض فرمایا گیا۔ اُس وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ اور حضرت عارف کامل کے عاطفتہائے پے درپے سے اس مدرسہ کے انتظام کی ذمہ داری بٹالہ شریف میں ماہ اگست ۱۹۴۷ء تک میں نے سرانجام دی۔ اس مدرسہ کو اسی ہی اثنا میں پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج لاہور سے الحاق کا امتیاز مل گیا جس کی وجہ سے پنجاب یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد نے اس مدرسہ کی ترقی کے لیے مشورے دیئے جو کہ واقعی مفید ثابت ہوئے۔ اچھی خاصی تعداد میں طلبہ نے اس مدرسہ سے پنجاب یونیورسٹی کے مختلف امتحانات میں کامیابی حاصل کی اور ان کا مستقبل شاندار سطح پر قائم ہوا۔ چنانچہ پنجاب میں اس درسگاہ کی عزت و شہرت کو عظیم استحکام ملا۔

ماہ اگست ۱۹۴۷ء میں مملکتِ پاکستان کے وجود مسعود میں آجانے پر ہمارا خاندان ہجرت کر کے لاہور میں آگیا اور سلسلہ سلوک (دربار قادریہ فاضلیہ) کا مرکز بھی بالآخر لاہور ہی میں قائم کیا گیا تو مدرسہ قادریہ فاضلیہ کے قائم کرنے کی تدبیر کی گئی۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ علاقہ خوشاب (ضلع سرگودھا) میں یہ مدرسہ قائم کیا جائے۔

ماہ اپریل ۱۹۴۹ء میں علاقہ خوشاب میں قطعہ اراضی خرید کرنے کا عزم کیا گیا۔ قطعہ اراضی کے انتخاب کے لیے بڑی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور اراضی کا قطعہ انتخاب کر لیا گیا تو معلوم ہوا کہ مشکلات اور مشقتوں کی کئی منزلیں ابھی طے کرنا باقی ہیں۔ ان منزلوں میں باعتبار کمیت اور بلحاظ کیفیت سینکڑوں معمے مضمر تھے جن کی تفصیل ایک طولانی امر ہے۔ اسی قدر ہی اشارہ کافی ہے کہ مختلف گوشوں سے مختلف انواع کی رکاوٹیں نمودار ہوئیں اور ہر ایک رکاوٹ بذاتِ خود ایک مرحلہ تھا۔ جس میں اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِہٖ کا رنگ نمایاں تھا۔ ان عوائق و مضائق کے طے کرنے کے لیے جس صبر و شکر اور ایثار و قربانی کو میں نے محورِ عمل بنایا وہ میرے لیے بڑی آزمائش تھی جس کی مثال اس سے پیشتر کی میری زندگی میں نہیں ملتی۔ بہرحال شکر ہے، بقول حافظ ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست

یہ قابلِ ذکر ہے کہ یہ عوائق کسی قسم کی ذاتی خصومت و عناد کی وجہ سے واقع نہیں ہوئے تھے۔ دراصل اس وقت بیگانہ وشی عام ہو چکی تھی اور عوائق مذکورہ کی وجہ یہی قیامت کی اجنبیت تھی ؎

تو حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اس درسگاہ کا نام جامعہ قادریہ فاضلیہ ہے اور اس میں عہد عتیق کے نصاب علوم عربیہ کے علاوہ مروجہ تعلیم کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے اور نصاب تعلیم کی اساس و بنیاد میں لزوم نصاب قدیم کے علاوہ منطق، فلسفہ، سائنس، ریاضیات، اقتصادیات اور انگریزی ادبیات کے شمولِ نصاب کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ آج کل جو سند طلبہ کو دی جاتی ہے اس سند کے مضمون کا بیشتر حصہ یہ ہے۔

شہادۃ علمیۃ

للجامعۃ القادریۃ الفاضلیہ جوہرآباد (الباکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ واوفر سلامٍ وافضل صلوٰۃٍ علیٰ نبیہ الکریم خاتم النبیین سیدنا محمدٍ والہٖ وعلیٰ من اشتاق بنور جمالہٖ - اما بعد فالجامعۃ القادریۃ الفاضلیۃ مرکز للعلوم الدینیۃ تنبع منہا علوم القرآن والسنۃ لیلاً ونہاراً قد اسس ہٰذہ الجامعۃ حضرۃ القطب الاعظم بدر العلم و الحکمۃ مرشد العارفین السید ابو الفرح محمد فاضل الدین القادری (رضوان اللہ علیہ) بنالہ الشریف وقد اشرف علیہا خلفاءہٗ بعد وفاتہٖ بکلِ عنایۃٍ ابتغاء مرضاتِ اللہ ونشاھد فی الجامعۃ ضیاءً مشعشاً الی ھذا الزمان فھذہ الجامعۃ من ذلک المصباح القدیم لا ینفک شیٔ منہ عن شعون العلم والعلیم -

جامعہ قادریہ فاضلیہ جوہرآباد ضلع سرگودھا (مغربی پاکستان) کے علاوہ فاضلیہ کالونی لاہور کی تشکیل کا ذکر بھی کرنا اس قرطاس کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔

۱۹۴۷ء یعنی ہجرت کرنے پر جب ہم پاکستان آئے تو مہاجر کو اپنی زندگی کے لیے ہر نوع کے اقتصارات و حاجات کے لیے جدوجہد کرنا ایک حاجت کبیرہ متصور ہونے لگی تھی۔ چنانچہ حضرت والدم محترم عارف کامل رح کے اس قسم کے مسائل و مشاکل کے حل کرنے میں مجھے شب و روز کی مصروفیت ہوگئی تھی اور آپ کو میرے تعب و مجاہدہ کا بہت احساس تھا اور کئی بار اس پر اظہار اطمینان فرمایا۔ ان مسائل سے زیادہ مجھ سے

استغراق الروح اور استتباع القلب کا تقاضا ان مقتضیات نے کیا جو کہ پاکستان میں دربار قادریہ فاضلیہ کے مرکز و مستقر قائم کرنے کے متعلق حضرت عارف کامل رح کے لیے پیدا ہوگئی تھیں۔ امور دنیوی تابع ہیں روحانی مستلذات کے، چنانچہ حضرت سیدنا علی علیہ السلام نے فرمایا (سلونی عن طرق السمٰوٰت فانی اعرف بها من طرق الارض) کہ مجھ سے رُوحانیات کے متعلق علم حاصل کر لو۔ کیونکہ دنیوی امور کی بہ نسبت کہیں زیادہ مجھے سماویات روحانیات کا عرفان علم مجھے حاصل ہے۔ حضرت سیدنا علی علیہ السلام کی نور فراست دنیوی امور میں مسلمہ ہے مگر آپ نے اَعرِفُ کا لفظ ارشاد فرما کر اشارہ فرمایا ہے کہ آپ کا رُوحانی علم تمام دنیوی علوم کو محیط ہے اور اس سے آپ نے اس حدیث شریف کی طرف بھی متوجہ فرمادیا (انا مدینة العلم وعلی بابها) میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں اسی عرفان سے متمتع کرنے کے لیے حضرت سیدنا علی علیہ السلام نے حضرت غوث اعظم سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو دَم فرمایا تھا یعنی توجہ خاص فرمائی تھی جیسا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے مکشوف ہوتا ہے کہ بموجب ارشاد الٰہی (اللہ یجتبی الیہ من یشآء) اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو حبِ الٰہی کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ حضرتِ اعلیٰ سید محمد فاضل الدین قادری رح کو اس انعام کا مورد بنایا گیا اور جو سطوع نُور ربانی آپ کے لیے وجود میں آیا اور جس طرح آپ کا اجتبار اور انتخاب اللہ تعالےٰ نے فرمایا اس کے لیے شاکراً لانعمہ اپنی تمام زندگی شکر میں گزار دی۔ اپنی نسل اور اپنے سلسلہ قادریہ فاضلیہ کو بھی اس ہی شکر گزاری میں مصروف فرما دیا۔ چنانچہ پاکستان میں اس مرکز کے احیاء میں بھی وہی جذبۂ تشکر جاری ساری ہوا۔ حضرت عارف کامل رح کی منظوری حاصل کرکے میں نے لاہور کے نواح میں اچھرہ کے قریب فیروزپور روڈ پر ایک قطعۂ اراضی اس لیے تجویز کیا کہ یہاں پر ایک کوئی تعمیر ہو کہ جہاں اقارب و احباب اپنے ذاتی ملکیتی مکانات بنوائیں اور اس کوئی میں سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے لیے ایک ایسی فضا کی تشکیل ہو جائے

جس میں الفقر فخری (ارشاد نبویؐ) کا تصور فروزاں رہے۔

سال ۱۹۵۲ء میں ہزار عوائق و حواجز طے کر لینے کے بعد فاضلیہ کولونی کو معرض وجود میں لایا گیا۔ اس کا نام اُس وقت تک امپرومنٹ ٹرسٹ نے متعین نہیں کیا تھا۔ بالآخر جب کالونی سب مراحل طے کر چکی تو حکام ٹرسٹ مذکور نے کہا کہ اس کا نام میرے نام پر مقرر کر لینا چاہیئے۔ تو میں نے کہا کہ فاضلیہ کولونی کے نام سے ہی مجھے بہت تسکین ملے گی۔ کیونکہ ؎

کم خود گیرد بپیش شو غالب ‌‌‌‌ ‌ ‌ قطرہ از ترکِ خویشتن گہر است

آیۃ کریمہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ میں ایمان و ایقان کے کمالات و امارات کو حُبًّا لِّلّٰہِ میں مجملاً ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل شیون الٰہیہ کی معرفت کی تفصیل ہے۔ ان ہی شیون الٰہیہ میں محبت و وفا ہے جو دربار عالیہ کی روایات سے وابستہ ہے۔ اس ہی محبت و وفا کی مداومت کے مختلف کثیر الوجوہ صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی صورت اختیار کی گئی ہے کہ بانیٔ سلسلہ حضرت سید ابو الفرح محمد فاضل الدین القادری رضوان اللہ علیہ کی شاخ اکبری کے فرزند اکبر کو ان روایات کے تحفظ کے لیے مامور کیا جائے۔ یہ بھی روایات میں داخل کیا گیا ہوا ہے۔ چنانچہ میرے فرزند اکبر سیّد الطاف محی الدین قادری نے گورنمنٹ کالج لاہور میں اکتساب علم کے منازل طے کر کے پنجاب یونیورسٹی سے شعبۂ فلسفہ میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج لاہور کے عربی و فارسی کی تدریس کرنے والے جیّد علمار محققین اساتذہ کرام سے دینی علوم کے متعلق تلمذ کیا۔

سیّد الطاف محی الدین قادری موصوف نے دربار عالیہ کی روایات عالیہ اور خاندانی اوضاع اور حقوق کے ابقار کے پیشِ نظر استکمال علم کے لیے استقصا مساعی کیا ہے وہ دربار عالیہ اور خاندان کے مفاخر کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ باوصف اس کے

کہ اُن کو دنیوی اعتبارات سے عالی قدر مقام حاصل آسکتا تھا انہوں نے روایات الفقر فخری کی دل نوازیہائے غیر متناہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور مسابقت الی الخیر میں جو اہمیت اور معنویت مکنون اور مشہود ہے وہ ناموس طریقت عالیہ اور خاندان کے عزّو وقار کی بھی امین ہو سکتی ہے۔ اسی ہی مسابقت الی الخیر کے لیے سیّد الطاف محی الدین نے سر تسلیم خم کیا اور سلسلہ عالیہ اور خاندان کی روایات کے تحفظ کے لیے عزم بالجزم کیا۔

انہوں نے تعلیم سے فراغت پاکر مسلم لیگ کی بنا پر تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کے حلقہ سے پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی رکنیت کے لیے انتخابی مہم طے کی اور نہایت شاندار کامیابی فتح مبین ہزاروں ووٹوں کی اکثریت سے حاصل کی۔ پھر اس کے چند سال بعد مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔

ان کے فرزند اکبر سیّد راغب محی الدین ان ہی روایات عتیقہ کی اتباع میں علوم دین کے اکتساب کے لیے بلند پایہ علماء سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں تاکہ راسخ العلم ہو سکیں۔ اس کے علاوہ یہ عزیز رمیز ایک انگریزی سکول میں بھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت عارف کاملؒ نے مجھے اپنا خواب سنایا تھا کہ اُنہوں نے دیکھا کہ سید راغب محی الدین حضرت موصوف سے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ سیّد راغب محی الدین عمر میں ایک سال کے تھے اساتذہ کی رائے ہے کہ یہ عزیز بہت ذہین ہیں۔ جب اس مذکورہ خواب پر اس لحاظ سے غور کیا جائے تو یہ اخذ ہو گا کہ حسن ادراک کو خواب میں ہم کلام ہونے سے متمثّل کیا گیا تھا۔

حضرت عارف کاملؒ نے اپنے طریق عمل سے خاندانی اور سلسلہ قادریہ فاضلیہ متمسکین کے لیے اس حقیقت کو روشن اور تابناک فرما دیا تھا کہ وہ حیات دنیوی کے اقدار کو ہرگز نظر انداز نہ کریں بلکہ دنیوی مقاصد کے لیے مادی وسائل انتفاعات کو عدل و احسان اور تقوٰی سے بدرجۂ کمال عمل میں لائیں اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (جس نے قلب زکی سے عمل کیا وہ فلاح یاب ہوا۔ اور جس نے کشمکش حیات دنیوی میں قلب کی صلاحیتوں کو خاک

میں ملادیا اس کی زندگی ناکام ہوگئی) کے ارشادِ الٰہی کو ہر منزل پر مشعلِ راہ سمجھتے رہیں۔

حضرت عارف کاملؒ نے سال ۱۹۲۶ء میں میری زندگی کے صوری یعنی دنیوی پہلو کے متعلق ایک ایسا موقف اختیار فرمایا جو کہ وہی اختیار کر سکتے ہیں جو عشقِ الٰہی میں مستغرق ہوں اور اپنی بشریت کی تکثیف کو روحانی تلطیف کے تقاضوں کو پُورا کرنے کے لیے فنا کر دیں۔ ماحصل یہ ہے کہ جب پنجاب کے گورنر لارڈ ہیلی تھے جو کہ پنشن پا کر انگلستان میں لارڈ کے اعزاز سے سرفراز ہو گئے تھے۔ وہ بڑے خوش تدبیر، صاحب درایت اور ثاقب ذہن حکمران تھے۔ انہوں نے پنجاب کے شرفائے عز و علا کے چند خاندانوں کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا کہ ان کے ممتاز فرزندان کو ملک کے انتظامیہ میں مناصب دیئے جائیں۔ اُنہوں نے ۱۹۲۶ء میں دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف کی زیارت کے لیے ارادہ کیا۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور، کمشنر لاہور ڈویژن، انسپکٹر جنرل پولیس اور کثیر التعداد دیگر انگریز افسران بٹالہ شریف مقررہ روز پہنچ گئے۔ اس تاریخ سے تین ماہ قبل ہی سے اس تقریب مذکور کے لیے مقامی افسران ضلع اور متعلقہ محکمہ جات نے ہمگی ہمت اور وفورِ محبت سے انتظامات سرانجام دیئے تھے اس تقریب پر دربار قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف میں ایک شامیانہ کو آراستہ کیا گیا تھا جہاں کہ متعدد معتقدین دربار اور دیگر رؤسائے آفاق نے گورنر صاحب موصوف کا اِستقبال کیا۔ گورنر موصوف کو حضرت عارف کاملؒ نے بالاختصار دربارِ عالیہ کے احوال سے آگاہ فرمایا۔

گورنر نے مختصر تقریر کی اور بزبان اردو کہا ''اس سلسلہ رُوحانی اور اس خاندان نے روایات کو جس طریق سے زندہ رکھا ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور میں اس قدر متاثر ہُوا ہوں کہ آج مَیں بھی اس دربار کا فقیر ہوگیا ہوں۔ (فقیر سے ان کا مطلب معتقد تھا)

حضرت عارف کاملؒ نے رسمی ملاقات گورنر سے ان کی فرودگاہ پر فرمائی تو گورنر موصوف نے ازخود حضرت عارف کاملؒ کی خدمت میں اس تجویز کا ذکر کیا کہ آپ کے فرزند (یعنی مجھے)

اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کا منصب دیا جائے گا اور ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو اس کے متعلق ہدایات حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کر دی جائیں گی کہ وہ کاغذات مرتب کر کے ارسال کر دیں۔

خاندان کے حالات کا تقاضا تھا اور حضرت عارف کاملؒ کے جو اپنے رجحانات دینی دنیوی مسائل کے متعلق تھے ان کا بھی مقتضا تھا کہ اس تجویز کو بکمال خورسندی قبول کیا جاتا مگر گورنر کے لیے حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب حضرت عارف کاملؒ نے بڑی استغناء اور متانت سے اس تجویز کو قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ یہ کہہ کر کہ ہمارے خاندان اور سلسلۂ عالیہ کی روایات کا مقتضا ہے کہ میرا فرزند اکبر اپنی زندگی کو صمیم القلبی سے ان روایات کی خدمت کے لیے مختص کر دے۔

اس پر گورنر نے کہا کہ اس وقت آپ اسے اس جلیل القدر ملازمت پر لگوا دیں گے تو اس کو آفاق شناسی اور حقائق فہمی کے تجربات حاصل ہو جائیں گے جو کہ اس کے لیے روایات کی خدمت میں معاون اور مددگار ہوں گے اور جب آپ چاہیں اسے واپس بلوا سکتے ہیں۔ مگر اس پر بھی حضرت عارف کاملؒ نے اپنی رائے کو متغیر نہ فرمایا۔

یہ طولانی بیان اس لیے یہاں پر درج کیا گیا ہے تاکہ حضرت عارف کاملؒ کا ثبات و استقامت واضح ہو سکے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ اس وقت اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کی نامزدگی نوادر میں شمار ہوتی تھی جو کہ بڑے سے بڑے عہدہ کی متکفل اور ضامن ہوا کرتی تھی گورنر کی اس التفات خسروانی کو حضرت عارف کامل (رضوان اللہ علیہ) کی نگاہ میں روایت عالیہ کے تحفظ و بقا کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہ ملی۔ مجھ سے حضرت عارف کاملؒ نے تفصیلاً بیان فرمایا تو میں نے عرض کیا آپ کی رائے متعالی واجب العمل ہے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
خاکت شوم و زیر پائے تو زیم

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشی يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم اوران کے ساتھ خوب متمسک رہو جو صبح وشام اللہ کی یاد میں اللہ کی حبِ ذاتی کی وجہ سے مگن رہتے ہیں۔ اور تمہاری توجہ ان سے ایک پلک کے وقت کے برابر بھی منفک نہیں ہونی چاہیئے۔

مجھے مطمئن خاطر دیکھ کر حضرت عارف کاملؒ بہت مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد گورنر صاحب موصوف کے دل میں اس خاندان اور اس سلسلہ کی اور بھی زیادہ توقیر و تعظیم جاگزیں ہونے لگی۔

چنانچہ سال ۱۹۲۷ء میں جب میں نے اپنے اکتساب علم کا دور بخیر و عافیت مکمل کر لیا تو ان دنوں بٹالہ کے سب رجسٹرار کا منصب اعزازی پر کیا جا رہا تھا۔ حضرت عارف کاملؒ نے مجھے حکم دیا کہ اس منصب کے لیے درخواست دینی چاہیئے تاکہ یہ منصب اعزاز بھی ہے اور آفاق شناسی اور خدمتِ خلائق کا ذریعہ بھی ہے۔ مجھے اس کے کوائف سے قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ میں نے ازرہ امتثال امر مذکور درخواست مرتب کر کے افسران کو بھیج دی۔ حکومت پنجاب تک جب یہ کاغذات پہنچے تو قابلِ تنقیح یہ امر تھا کہ کیا اس منصب پر کوئی شخص بعمر بائیس سال متعین کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

اس وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ یہی وجہ اعتراض تھی۔ اس وقت ملک سر فیروز خان نون وزیر پنجاب تھے اور یہ مسئلہ انہوں نے ہی منفصل کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے گورنر موصوف سے اس قضیہ کا ذکر کیا تو گورنر نے بکمال سرعت میری درخواست کی تائید کر دی اور یہ کہا کہ میں اس عالی خاندان کے مجد و شرف کا نہایت معترف ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ اس مسئلہ کا ذکر ملک صاحب موصوف نے اپنی ایک تصنیف میں بھی کیا ہے۔

میں نے اس واقعہ نگاری کے لیے اس قدر قلم کاری اس لیے کی ہے کہ یہ ثابت کر سکوں کہ حضرت عارف کامل کا روایاتِ قدیمہ کی حفاظت کے لیے ہر مقام پر استقامت گزیں ہونا

روشن سے روشن تر ہوتا رہا ہے۔ آپ نے میرے لئے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کو قبولیت نہ دی وہ اس لیے کہ بٹالہ سے باہر چلے جانے سے روایات کی خدمت کے مواقع معدوم ہونے کے احتمالات پیدا ہو جائیں گے اور آپ نے سب رجسٹراری جیسے منصب کو مرضیات میں شمار فرما لیا۔ اس لیے کہ اس وجہ سے بٹالہ میں ہی میری اقامت گزینی ممکن ہو سکے گی۔ اور قدسی روایات مسطورہ بالا کے متعلق خدمت جاری ہوتی رہے گی۔ وہ خدمت جو کہ حضرت موصوف کی نگاہ میں اقاویت مرتبت تھی۔ ایک سخنور نے میری ہمت افزائی کے لیے تحریر کیا تھا ؎

آسماں میکند بدر گاہت ـــــ سید بدر نذر محی الدین

درحقیقت حضرت عارف کاملؒ کے دل میں میرے متعلق یہی تصور منطبع تھا جو آسمان میکند بدر گاہت ۔ سید بدر نذر محی الدین میں متحقق ہے اور حضرت عارف کاملؒ کی توجہات نے میرے قلب و روح میں حضرت عارف کاملؒ کی جناب کے لیے جذبۂ عبودیت متمکن کر دیا تھا اور آپ ہی کی توجہ کے جوش التفات نے مجھے ثاقب الذہن اور مہدی انقلب قرار دیا تھا حالانکہ عمر کے لحاظ سے میں حدیث السّن تھا۔ یہ آپ کی کرامت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی جناب میں اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق یوں عرض کیا تھا۔ لیت اسمٰعیل یعیش اما مك (کاش اسمٰعیلؑ تیرے سامنے زندگی بسر کریں) حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوئے اور آپ سے ان کو نہایت محبت تھی اور اسمٰعیل کے نام ہی میں اس دعا کی مقبولیت کا اشارہ ہے۔ ایل کے معنی خدا کے ہیں اور سمیع کے معنی سامنے کے ہیں۔ یعنی اللہ نے حضرت ابراہیم کی دعا کو قبولیت بخشی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کو ذوق عبودیت سے معطر دیکھ رہے تھے اور لیت یعیش امامک کی آرزو فرمائی گئی۔ قدیم زمانے میں "سامنے رہنے" کا تصوّر نذر چڑھانے کے مطلب و مقصد کے لیے استعمال کیا جایا کرتا تھا۔ ماحصل یہ ہے کہ حضرت عارف کاملؒ کی یہ خواہش سدا برقرار رہتی تھی کہ میں آپ کے حضور میں رہوں ان کا

حضور درحقیقت دربار عالیہ میں حضوری تھی۔ اوراس ہی حضورشہود میں نذر چڑھانے کا تصور شگفتہ ہے۔

مذکورہ واقعات نگاری سے مراد یہ ہے کہ اس قدسی سلسلۂ طریقت اور متعال خاندان کی روایات کے ابقاء اور ارتقاء کے لیے حضرت عارف کاملؒ کی ذات قدسی صفات نے اپنے کمالات وہبی اور کسبی کو اس حد تک مبذول فرمایا کہ آپ کے ہر عمل کے تن مُو میں قل ان صلاتی و نسکی ومحیای و مماتی للہِ رب العلمین (یعنی فرمایئے کہ میری عبادات اور میری حیات ومماتحبِ الٰہی کے لیے ہی ہیں) کا اثر ہویدا تھا۔ اس آیت کریمہ کے ارشاد محیای ومماتی (میری زندگی اور موت) سے یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ میرے قلب و روح کی حیات اور میری ناسوتی خواہشات کی ممات دراصل حُبِ الٰہی کے لیے ہی منقاد اور مطیع ہے۔ طبعی محبت میں اپنا مقصود مطلوب ہوتا ہے۔ روحانی محبت میں محبوب کا مقصود مطلوب ہوتا ہے۔ طبعی محبّت کی ممات اور روحانی محبت کی حیات یہ سب کچھ حضرت عارف کاملؒ نے اپنے ہر عمل میں ملحوظ رکھا۔

یہ تو نسطیر و تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضرت موصُوف نے اپنے خاندان کے افراد اور سلسلہ عالیہ کے متوسلین و منسلکین کو دنیا کی مہمات اور ارتفاقات اور وسائل انتفاعات سے متعلق تدبیرات نافعہ کے لیے بھی متوجہ فرمایا اور تمدنی اور سیاسی امور میں صالحین کے نقشِ قدم پر چل کر دُنیا میں رُوح اور جسم کی عافیت، عزت اور شرف کا سامان پیدا کرنے کی ہدایت بھی فرمائی تاکہ ان کی ملکوتی نورانیت کی وجہ سے دنیا کی بہیمی ظلمت مغلوب ہوسکے۔ حدیث نبویؐ کا ارشاد ہے من کان آمنا سربہٖ معافی فی بدنہٖ عندہ قوۃ یومہ کان من حسرت لہ الدنیا یعنی جس شخص کو روح اور جسم کی عافیت نصیب ہوا اور معیشت کی کشادگی اس کی اپنی ضروریات اور تدبیر منزل و تمدنی وغیرہ کے تقاضوں کے لیے مکتفی ہو وہ ایسا خورسند نصیب ہوگا گویا ساری دنیا سمٹ کر اس کی تسخیر میں آگئی۔ حضرت عارف کاملؒ کا لائحہ عمل اپنے وابستگان کے لیے یہی تھا کہ روح اور جسم کی عافیت کے طلبگار رہیں اور

معیشت کی راہیں بھی اپنے لیے حسبِ حال کفاءالواجب کشادہ رکھیں۔ روح کی سالمیت کے لیے مسابقت الی الخیر کے معیار بھی تفاوت درجہ کے ہیں۔ بدن کی عافیت کے لیے مُعدّات کا معیار بھی کئی مدارج رکھتا ہے۔ یومیہ میں یہ بھی مضمر ہے کہ حوائج اور ضروریات کی تشخیص کے لیے زمان کی حقیقت مؤثر ہوتی ہے اور بدنہ کے ارشاد میں یہ مضمر ہے کہ اس کے تعینات میں مکان کا بھی اثر ہے۔ لہٰذا اس حدیث شریف میں تامل وافتکار کرنے سے یہی مکشوف ہوتا ہے کہ معاشی قوت وضرورت کی تشخیص کے لیے مکان وزماں اور اکوان وموجودات کا ماحول اثرانداز ہوتا ہے۔ اور بدیں وجہ اس قوت وضرورت کو حدیں پابند نہیں کیا جا سکتا چنانچہ (واللہ فَضّل بعضکم علی بعض فی الرزق) ہم نے تم میں سے ہر ایک کو رزق میں فضیلت دی ہے) کے ارشادِ الٰہی نے اس تفاوتِ رزق کو فضیلت قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت موصوفؒ خود بھی اس پر عمل پیرا تھے۔

آپ کو برطانوی حکومت کے عہد میں پراونشل درباری کا اعزازی منصب بطور ورثہ کے ملا ہوا تھا جس کا ذکر اوپر مسطور ہو چکا ہے۔ آپ جاگیردار بھی تھے۔ آپ پنجاب کے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کو خان بہادر کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔ آپ کے عہد سجادہ نشینی میں ہی آپ کا خاندان پنجاب چیفس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ مجھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے خاندان کو پنجاب چیفس میں شامل کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اس وقت پنجاب گورنمنٹ کو متوجہ کیا اور کامگاری ہو گئی۔ آپ اسلحہ کے لائسنس سے مستثنیٰ تھے۔ آپ نے اپنے باغات اور عمارات میں بڑی توسیع فرمائی۔ آپ کے شہری املاک کی بہت ترقی بھی ہوئی۔ آپ کی متواتر توجہ سے ہی اس ترقی اور فروغ میں ایک خاص تنویر پیدا ہو گئی تھی۔

حضرت عارف کاملؒ کے ارشادات جو متواتر و پیہم میرے لیے تنویرِ راہ تھے، وہ ارشادات ان اصولوں کا ماخذ تھے جو کہ میں نے خاندانی اور سلسلہ دربارِ قادریہ فاضلیہ کی مجدد

حکومت کی اقتضا اور نشو و نما کے لیے اشد ضروری سمجھ رکھے ہیں چنانچہ میں نے جب سمجھ لیا کہ خاندان اور مریدین کے متعلقات اور ملکی و ملّی عزت و وقار کے مسائل کے متعلق تفقہ اور تصفیح میرے لائحہ عمل میں داخل ہے مجھ پر جلد ہی منکشوف ہو گیا کہ مومن کا فروغ غیر مسلم کے دل پر گراں ہو جاتا ہے اور یہ بھی مجھے محسوس ہونے لگا کہ حکومت برطانیہ کی مخالفت میں غیر مسلم طبقات صفِ اوّل اختیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ (آزادی) کے لیے راہ ہموار کریں اور ان غیر مسلم طبقات سے ایک طبقہ برطانوی حکومت سے تعاون کرنے کے لیے سرگرم عمل تھا، تاکہ حکومت برطانوی سے مراعات حاصل کر کے غیر مسلم قوم اپنے قدم مضبوط کرتی رہے۔ انہوں نے مسلمانوں پر جفا کاریاں بھی روا سمجھ لیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے ارذال اور رسوا کرنے سے بھی وہ گریز نہیں کرتے تھے اور ان کوششوں کی تنظیم بھی نیشنل کانگرس انڈیا ہی کے مفادات کے پیشِ نظر ہو رہی تھی۔ ان حالات میں حکومت برطانوی سے تعاون کر کے مقاصد ملّی اور مفاداتِ سیاسی کو محفوظ کرنا ایک ایسا طریق کار تھا جو کہ پاک و ہند برصغیر میں اس دَور کے زعمائے اسلام نے اختیار کر لیا تھا۔

انہی دنوں سال ۱۹۳۳ء میں حضرت عارف کامل لاہور تشریف لائے اور سر ہنری کریک (فنانس ممبر) سے ملے۔ ان سے دیرینہ تعارف کا تعلق موجود تھا۔ وہ بعد میں پنجاب کے گورنر بھی ہو گئے تھے مضبوط سرشت اور دیدہ ور مدبّر تھے۔ ان سے آپ نے میرے متعلق ذکر فرمایا کہ اگر حکومت کی طرف سے مجھے آنریری مجسٹریٹ مقرر کر دیا جائے تو یہ ایک مستحسن تدبیر ہو گی۔ سر ہنری کریک نے اسی وقت ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو اس تجویز کے متعلق احکام جاری کر دیئے۔ ڈپٹی کمشنر ان دنوں سر پینی (آئی۔ سی۔ ایس) تھے جو کہ بعد میں پنجاب کے فنانشل کمشنر ہو گئے تھے۔ وہ بہت سنجیدہ اور عمیق النظر انگریز حاکم تھے۔ انہوں نے اس تجویز کی مکمل تائید کر دی اور سال ۱۹۳۳ء سے حکومت نے مجھے آنریری مجسٹریٹ بٹالہ متعین کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مجھے آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل

کے منصب کا امتیاز مل گیا۔ اس امتیاز کو اس حکومت کے مدارج علیا میں نہایت اونچا مقام حاصل تھا۔ سال ۱۹۳۷ء میں حضرت عارف کامل نے مجھے متوجہ فرمایا کہ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی رکنیت کیلئے انتخاب میں حصہ لینا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے تحصیل بٹالہ کے مسلم حلقہ میں انتخابی مہم شروع کردی گئی کئی مہینے اس میں مصروفیت رہی اور نائل المرام ہونے پر آپ نہایت مطمئن خاطر ہوئے۔ میں تقریباً نو سال اس اسمبلی کا رکن رہا۔ حکومت کی طرف سے مجھے بھی خاں بہادر کا خطاب ملا تو حضرت عارف کامل رح نے اس پر بھی خورسندی کا اظہار فرمایا۔ مومن کے لیے دو بشارتیں معین ہیں ایک بشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا اور دوسری فی الآخرۃ، دنیا میں اگر لوگ مومن کی تعریف کریں تو یہ بھی بشارت دنیوی کی ایک قسم ہے۔ بشرطیکہ مومن کے عمل میں یہ تصور غالب ہو کہ طیبات مستلذات سے مستفید ہونے سے خاصۃً عبادت خدا ہو رہی ہے (آیۃ کریمہ) ان کنتم وا ییاہ تعبدون کے معارف میں صوفیہ کرام نے اس ہی نکتہ کی تائید فرمائی ہے۔

مذکورہ طویل الذیل تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ میری مسطورہ بالا مہمات اور مصروفیات حضرت عارف کامل رح کی مجملات کی تفصیلات ہیں۔ ان کے عزائم کی تعمیلات ہیں۔ آپ نے اپنے خاندان کے عزیزوں کو بھی اس ہی مسلک پر گامزن ہونے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ خاندان کی چند شخصیات سپہر وجاہت دنیوی پر خوب درخشاں اور روشن ہو کر آرائک اقتدار پر جلوہ گر ہیں ؎

اضاءت لهم احسابهم و وجوههم
دجی اللیل حتی نظم الجزع ثاقبه

(ان کے حسن عمل اور اوضاع ذہنی کی وجاہت نے تاریکیوں کو بحد کمال روشن کردیا)

یہ سب کچھ حضرت عارف کامل رح کی توجہات کاملہ کا نتیجہ ہے۔ حضرت عارف کامل رح کی زندگی کا یہ پہلو بھی بے مثال ہے ؎

اگرچہ حسن فروشاں بجلوہ آمدہ اند
کسے بحسن و لطافت بیار ما نرسد

(اگرچہ محبوب جلوہ آرا ہیں مگر حسن و پاکیزگی میں وہ ہمارے ممدوح کی مثال نہیں رکھتے)

اب میں تاریخ کا ایک ضروری نقطۂ نظر یہاں درج کرتا ہوں جس کے بغیر یہ قرطاس التعارف نامکمل رہے گا۔ وہ یہ ہے کہ رفیع الجناب کثیر المکارم سید فیض محی الدین قادریؒ حضرت عارف کاملؒ کے چچا تھے۔ حضرت سید حسین شاہ قادریؒ سجادہ نشین ششم کے دو فرزندان تھے۔ حضرت حافظ سید ظہور الحسین قادریؒ ان کے فرزند اکبر تھے سجادہ نشین ہفتم تھے۔ اور رفیع الجناب سید فیض محی الدین قادریؒ ان کے چھوٹے فرزند تھے، جنھوں نے حضرت عارف کاملؒ کی سجادہ نشینی کے روز اول سے لے کر اپنی تمام زندگی حضرت عارف کاملؒ کی تائید میں صرف فرمائی اور حضرت عارف کاملؒ کے ابتدائی مراحل سجادہ نشینی میں پُرآشوب مشکلات بھی تھیں جب کہ آپ دنیوی امور کے تجربوں سے بھی آشنا نہیں تھے۔ اس وقت آپ کے عم موصوفؒ نے بڑی ہمت اور شفقت سے آپ کا ساتھ دیا اور ہر مرحلہ پر ان کی حوصلہ افزا تائیدات آپ کے کام آتی رہیں۔ ان کی تائیدات آپ کے لیے تو لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون (آیت کریمہ: آپ بے دل نہ ہوں اور غم بھی نہ کریں۔ آپ ہی غالب رہو گے) کی برکتوں کی جلوہ گاہ ثابت ہو گئیں۔ حضرت عارف کاملؒ کا عقد نکاح بھی اپنے موصوف رفیع الجناب سید فیض محی الدین قادریؒ کی صاحبزادی سے ہوگیا۔ وہ ہماری امّ محترمہ والدہ ماجدہ تھیں۔ اللہ کی غیر متناہیہ رحمتیں ان کی روح کو اور والدین کی روح کو محیط ہوں اور ان سب کی روح کو ہر آن بلند مرتبے عنایت ہوتے رہیں۔ رفیع الجناب سید فیض محی الدین قادریؒ نے حضرت جد امجد حافظ سید ظہور الحسینؒ سجادہ نشین ہفتم کے لیے تائیدات متواتر اور مسلسل طور پر نہایت سخت، تند اور عفیف ہولناک آلام میں بڑے خلوص سے بغیر طلب اغراض و اعواض کے سرانجام دیں۔ اس ہی خلوص سے حضرت عارف کاملؒ نہایت متاثر تھے۔ اس ہی اتصال حقیقی کی وجہ سے رفیع الجناب سید فیض محی الدین قادریؒ کے حالات کو اس قرطاس التعارف میں مشہود کیا گیا ہے۔ ان کو بٹالہ کا میونسپل کمشنر بھی منتخب کیا گیا تھا۔

رفیع الجناب سید فیض محی الدین قادری موصوفؒ کی اولاد سے چار فرزندان

ہوئے۔ جناب سید محمد، جناب سید احمد، جناب سید حامد، جناب سید محمود۔ جناب سید محمد جوان عمر ہی میں انتقال فرما گئے۔ ان کے دو فرزندان ہیں۔ سید مصطفےٰ محی الدین ایم۔ایس ایکسٹینشن افسر محکمہ زراعت مغربی پاکستان اور لیفٹیننٹ کرنل اقبال محی الدین ہیں۔

جناب سید احمد اور جناب سید محمود گورنمنٹ کی ملازمت میں مقتدر منصبوں پر فائز رہ کر پنشن پر آئے ہوئے ہیں۔ اور جناب سید حامد نے محکمہ انہار کی ملازمت کے اوج عروج چیف انجینئری پر پہنچ کر پنشن لی ہے اور تمغہ پاکستان کا جلیل اعزاز بھی حکومت پاکستان نے انہیں دیا ہے۔ ان کے چار فرزند ہیں۔

سید پرویز حامد (انجینئر)، سید جاوید حامد (بی اے کینٹب) سید نوید حامد (بی اے کینٹب) اور سید طارق حامد (انجینئر)

جناب سید احمد کے چار فرزندان ہیں :۔

سید افتخار احمد، سید نثار احمد، سید وقار احمد (انجینئر) اور سید بختیار احمد۔

سید نثار کے فرزند کا نام کمیل احمد ہے۔ جناب سید محمود کے فرزندان کے اسمایہ ہیں:۔

سید واجد محمود (انجینئر) سید خالد محمود اور سید سکندر محمود

حضرت عارف کامل کے ایک بھائی جناب سید مظہر حسین اوائل عمر میں ہی وفات پا گئے تھے اور آپ کے ایک بھائی جناب سید خورشید محی الدین پاکستان میں فوت ہوئے۔ ان کے دو فرزندان ڈاکٹر سید واصف محی الدین اور سید ناصر محی الدین ہیں۔

میرے پانچ براوران ہیں :۔ سید آفتاب محی الدین سیکشن افسر (محکمہ خوراک) سید ضیا محی الدین (بی۔ایس۔سی انجینئرنگ) سید ذکا محی الدین بی۔اے (منیجر بنک) سید نجم حسین ایم۔اے (پی اے۔ اے۔ ایس) ایڈیشنل اکونٹنٹ جنرل (مغربی پاکستان) اور سید ماہتاب حسن ہیں۔

سید آفتاب محی الدین کے دو فرزندان ہیں:۔ سید کوکب محی الدین اور سید ثاقب محی الدین۔

سید ضیا محی الدین کے تین فرزندان ہیں:۔ سید معاذ محی الدین، سید کنوز القادر اور سید

زبرقان محی الدین۔ سید ذکا محی الدین کے فرزند کا نام یہ ہے :۔ زعما محی الدین۔

میرے بیٹوں کے اسماء یہ ہیں :۔ سید الطاف محی الدین قادری (ایم اے) سید اکرام محی الدین (بی اے) اور سید فضیل احمد محی الدین (بی اے) ہیں۔

سید الطاف محی الدین قادری کے چار فرزندان ہیں :۔

سید راغب محی الدین، سید ازہر حسین محی الدین، سید رضا محی الدین اور سید قمران محی الدین۔

سید اکرام محی الدین کے فرزند کا نام سید استکرام محی الدین ہے۔

حضرت جد امجدؒ کے نواسوں میں سید امیر حسین شاہ ایم اے، سید اختر حسین اور سید اصغر حسین ہیں۔ حضرت عارف کاملؒ کے نواسوں میں سید اسد علی شاہ (سی۔ ایس۔ پی) خلف الرشید سید غضنفر علی شاہ ہیں اور سید اجمل حسین اور سید اکمل حسین ہیں جو ڈاکٹر سید علمدار حسین کے فرزندان ہیں۔ سید اسد علی شاہ کے فرزند کا نام سید فرہد علی ہے۔ اس کے علاوہ

میرے نواسے سید حسین فاروق و ڈاکٹر سید حسنین علی شاہ ایف آر سی پی (انگلستان) (فرزندان سید فضل علی شاہ لینڈ لارڈ) سید سلیمان علی و سید رضوان علی فرزندان سید اسمٰعیل علیشاہ چیف انجینئر) سید جواد علی ابن سید فیاض علی شاہ چیف انجینئر۔

حضرت عارف کاملؒ نے تبلیغ و تنظیم کے لئے طریقت قادریہ فاضلیہ کے انوار فشانی کے لیے اپنی زندگی میں ہزارہا میل کا سفر بذریعہ اسپ گاڑی، موٹر کار اور ریلوے ٹرین مختلف اطراف ملک برصغیر پاک و ہند میں کوہساری سفر اور برّی سفر اختیار فرمائے اور ہزاروں نفوس کو سلسلہ عالیہ میں داخل فرمایا۔ آیتہ کریمہ والذین هم لامٰنتهم وعهدهم راعون کے معارف مریدوں کے ذہن نشین کراتے تھے تاکہ سلسلہ قادریہ فاضلیہ کی محبت و ارادت میں جو منسلکین ہیں وہ اپنے اسی میثاق و عہد اور امانت کی مکمل حفاظت کریں۔ آپ نے سینکڑوں دیہات میں لوگوں کو مساجد تعمیر کرنے پر متوجہ فرمایا۔ ہزاروں نفوس جو کہ اولاد کے لیے ترستے تھے اور ان کی امیدیں، آرزوئیں بھی عقیم ہو چکی تھیں۔ یعنی ان کی سب امیدیں بے

پر و بال ہو گئی تھیں آپ ہی کی روحانی و لنواز توجہات سے ایسے ہزار ہا لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے اولاد بخشی تو ان ہی لوگوں نے ان کرامات کو نہایت تعجب خیز پایا مگر زیادہ تعجب تو اس پر تھا کہ جب وہ مایوس تھے تو ان کو ان انوکھی چیزوں کے مانگنے میں تعجب نہ ہوتا تھا اور جب دعا قبول ہوتی تھی تو وہ بہت متعجب ہوتے تھے۔ اس پر آپ فرماتے ۔ کذلک اللہ یفعل ما یشاء (آیۃ کریمہ) اللہ اس ہی طرح اپنی مشیت پوری کر دیتا ہے۔ وہ لوگ سلسلہ طریقت قادریہ میں جوق در جوق شامل ہوئے اور اولاد اور نسلیں بھی اس دربار عالیہ کے صف مریدین میں شامل ہوئیں۔ آپ کی اس نوع کی کرامات کے استشہادات آج ہزاروں گھروں میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیم دنیوی تمتعات روزگار املاک اور ازدواجیات کے مسائل و مشاکل کے حل کرنے میں آپ کے کرامات وخوارق کی فراوانی اور کثرت آپ کی طرف سے گویا یہ اعلان کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی راہیں آسان بناتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد اور تائید کرنا اپنا حق قرار دے رکھا ہے۔ لہٰذا اولیاء اللہ خداوند کریم کی نیابت کرتے ہوئے کان حقاً علینا نصر المومنین (آیت کریمہ ہے کہ مومنین کی امداد تائید ہمارا حق دیا گیا ہے) پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

حضرت عارف کامل رح کے مہمات سفر کے متعلق عرب کے نامور شاعر کا یہ شعر خوب صادق آتا ہے ؎

الخیل واللیل والبیداء تعرفنی

والسیف والرمح والقرطاس والقلم

گھوڑے یعنی وسائل سفر اور راتیں یعنی زمانہ سفر اور دشت نوردیاں یعنی مکان سفر اور تلوار یعنی آپ کی دعاؤں کے نتائج کی قطعیت اور سولت نیزے یعنی نظر فیض اثر قرطاس کاغذ اور قلم یعنی لوگوں کے امور مصالح کی مشکل کشائیوں کی کرامات کا جریدہ عالم پہ ثبت اور مسطور ہو جانا یہ سب کچھ حضرت عارف کامل رح کے حالات سفر سے عیاں ہے۔ لفظی معنی شعر کے تو یہ ہیں کہ گھوڑے، رات، میدان، تلوار، نیزہ، کاغذ اور قلم مجھے خوب جانتے ہیں۔ مگر

ہیں نے مذکورہ (رُوحانی) مطالب اسی شعر سے اخذ کیے ہیں جو کہ بے محل نہیں ہیں۔

ان ہی مہماتِ سفر کا ذکر ہے کہ آپ ضلع گجرات ہیں تشریف لے گئے تو ایک گاؤں میں آپ کے مریدین نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ طریقہ تبلیغی سفر کا یہ تھا کہ جب کبھی کسی علاقہ میں دورہ تجویز فرمایا جاتا تو اس علاقہ کے تمام دیہات کو نظام اوقات کی اطلاع تفصیل سے دی جاتی۔ کئی مہینوں پیشتر ہی سے یہ انتظام کیا جاتا تھا۔ خیمے، گاڑیاں اور گھوڑے اور کثیر التعداد لوگ اس سفر میں آپ کے جلو میں ہوتے۔

آپ خود اپنی کار میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ کسی مقام پر چند منٹ، کسی جگہ چند گھنٹے اور کسی صورت میں ایک دن قیام فرما لیا جاتا۔ جس علاقہ میں یہ ورُودِ مسعود ظہور میں آتا وہاں مریدوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی ظاہری و باطنی، صوری اور معنوی ضیافتوں اور دعوتوں کا ایک جہان آباد ہو جاتا تھا۔ کئی میل قریہ اور گاؤں کے باہر معززینِ علاقہ جمِ غفیر کی صُورت آپ کے استقبال کے لیے جمع ہو جاتے۔ سفر میں نماز، ورد درُود، اذکار، اشغال، تسبیح و تہلیل، تلاوت قرآن حکیم، صلوٰۃ غوثیہ، تہجد، اشراق و ضحیٰ کے نوافل میں آپ کی معیت و اتباع کرنے والوں کی تعداد بھی معمولی نہیں ہوتی تھی۔ سال میں تقریباً ایک ماہ اس قسم کے سفر ظفر کے لیے مخصوص رکھا جاتا۔ اور یہ سفر بڑی مستقیم تنظیم کے ساتھ طے کئے جاتے تھے جو کہ فقر کی عظمت اور ظاہری وجاہت کی تابانی کا نمونہ ہوتے تھے۔

اب ضلع گجرات کے ایک گاؤں کے سفر کے حال کی تکمیل کرنا ضروری ہے جس کا ذکر کرنے کے لیے یہ طریقۂ سفر تبلیغی سفر کی تمہید تحریر کی گئی ہے۔ جب آپ مع اپنے رفقاء کے اس گاؤں مذکور میں قیام فرما ہوئے تو مغرب کی نماز کا وقت آ پہنچا۔ آپ نے حکم دیا کہ نماز کی تیاری کی جائے۔ گاؤں والوں نے عرض کیا کہ مسجد کا کنواں مُردار گر جانے کی وجہ سے شرعاً ناپاک ہو چکا ہے۔ وضو کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ نے کنواں کی کیفیت دریافت کئے بغیر حکم دے دیا کہ کنواں میں سے تین سو ڈول پانی نکال لیا جائے تو کنواں شرعاً پاک ہو جائے گا

اور پانی وضو کے قابل سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں لوگوں نے تین سو ڈول پانی نکال دیا۔ مگر اس ہی علاقہ کے ایک مشہور سند یافتہ مفتیٔ عالم وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اس فیصلہ کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا اور لوگوں کو ہدایت کی کہ تمام پانی اس کنواں سے نکال کر ہی کنواں شرعاً پاک سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ذاتی طور پر اس کنواں کی حالت سے باخبر تھے۔ وہاں ہی کے متوطن تھے اور ان کو علم تھا کہ کنواں بئر معینہ (چشمہ دار اور سوت والا چاہ) نہیں تھا۔ اور شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کنواں چشمہ دار اور سوت والا نہ ہو اور اس میں کوئی جاندار چیز مر جائے اور اس کا جسم خراب ہو کر پھول جائے تو ایسے کنواں کا تمام پانی نکالنا (نزح البئر) ضروری ہوتا ہے۔ مگر جو حکم حضرت عارف کاملؒ نے صادر فرمایا تھا وہ اس کنواں کے لیے تھا جو کہ چشمہ دار ہو (میرٔ معینہ) سوت والا کنواں ہو۔

مولوی صاحب (مفتی صاحب) نے لوگوں کو تمام رات اس کنواں سے سارا پانی نکالنے کی کوشش میں لگائے رکھا مگر پانی ختم نہ ہوا۔ یہ واقعہ تمام علاقہ میں ایک انوکھا اور عجائب محسوس ہونے لگا اور لوگوں نے پانی کے تین سو ڈول تو نکال ہی لیئے ہوئے تھے۔ کنواں پاک متصور ہو گیا تھا اور نمازیوں نے اس پانی سے وضو کر کے نماز ادا کر لی تھی۔ کنواں تو واقعی چشمہ دار اور سوت والا نہیں تھا۔ مگر جس وقت حضرت عارف کاملؒ کی زبان سے اس کے پاک کرنے کا طریقہ ارشاد ہوا جو کہ چشمہ دار کنواں کے لیے مقرر ہے تو اُس ہی وقت باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) وہ کنواں چشمہ دار ہو گیا جس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ اللہ کے ولی کی کرامت کی لطافت اور حکمت افروزی کی عظمتِ شان کا تلازم اس ولی اللہ کی عظمت شان سے مربوط ہوتا ہے۔ جتنا کوئی ولی اللہ عظیم الشان درجات پر متمکن ہوتا ہے اس کی کرامات میں اس ہی قدر عظمتِ شان موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عارف کامل کی مذکورہ کرامت یقیناً ایک بہت عظیم الشان کرامت ہے۔ یوں تو آپ نے پتھروں پر تعویذات تحریر فرما کر سینکڑوں دیہات میں کئی بار بھیجے جہاں کہ پانی کی شدید قلت

تھی اور چاہات میں پانی پینے کے لیے بھی میسر نہیں تھا۔ پتھروں پر تعویذات ثبت شدہ جب ان چاہات میں رکھے گئے وہی چاہات میٹھے پانی سے لبریز ہو گئے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کی تصدیق کے لیے حسّی اور معنوی آیات و دلائل ظاہر فرمائے ہیں اس ہی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آں حضورؐ کے اولیاء اللہ کی صداقت کے لیے بھی حسّی اور معنوی دلائل بصورت کرامات کا ظہور ہوا سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم۔ آیت کریمہ میں اس ہی دستور عظیم کا ارشاد متجلّی ہے۔

حضرت عارف کاملؒ کی تعلیمات لوائح ارشادات اور اخلاق طیبہ میں معنوی کرامات مکنون اور محفوظ ہیں اور حسّی کرامات کی تعداد کا حصر اس قرطاس میں کرنا نہایت مشکل ہے ہزارہا کرامات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے آپؒ سے اولاد کے لیے تعویذات حاصل کیے۔ اور چند مہینے ان تعویذات کا استعمال ہوتا رہا۔ تو ایک خط میں آپ نے اس شخص کو صاف واضح الفاظ میں لکھا کہ فرزند پیدا ہوگا اور اس کا نام بھی آپ نے تجویز فرما دیا۔ جب خط مکتوب الیہ کو ملا تو اس نے وہ خط اپنے پاس محفوظ رکھا حتّیٰ کہ اس کے ہاں واقعی فرزند پیدا ہوا۔

ایسے کئی واقعات آپ کی تاریخ میں تحریر ہو سکتے ہیں کہ آپ نے قبل از وقت مغیبات سے اطلاع دی۔ چنانچہ ہجرت ۱۹۴۷ء سے تین ماہ پیشتر سے ہی آپ نے بٹالہ شہر اور اس کے حوالی کے متعلق چند واقعات بیان فرمائے جو کہ آپ نے خوابوں میں مشاہدہ فرمائے تھے۔

آپ کے متعلق یہ کرامات بھی مشہور ہیں کہ آپ کی توجہ سے کئی بار ضیافتوں دعوتوں میں تھوڑے سے کھانے سے کثیر التعداد لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ پنجاب کے بڑے نامور پیر صاحب بٹالہ میں آئے تھے تو انھوں نے آپ سے ملاقات کے لیے آرزو کا اظہار کیا۔ آپ نے پیغام بھیجا کہ ملاقات کے لیے تشریف

لے آئیں اور ما حضر بھی دربار عالیہ کے لنگر سے ہی تناول کریں۔ چنانچہ پیر صاحب موصوف نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ان کے ہمراہ پچیس اشخاص بھی دعوت میں شامل ہوں گے۔ لنگر میں بڑے پرتکلف کھانے کا اہتمام کر دیا گیا۔ جب پیر صاحب موصوف تشریف لائے تو ان کے ہمراہ تقریباً دو سو اشخاص ضیافت کے دسترخوان پر موجود تھے۔ منتظمین لنگر نے حضرت عارف کامل سے ماجرا عرض کر دیا۔ تو آپ نے توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مہمانوں کے لیے کھانا دسترخوان پر لگا دیا جائے۔ آپ بہ نفس نفیس خود بھی وہاں دسترخوان پر تشریف فرما ہو گئے۔ ماحصل کلام یہ ہے کہ وہ پچیس آدمیوں کا کھانا جب دو سو اشخاص کے لیے دسترخوان پر رکھ دیا گیا تو آپ نے فرمایا بسم اللہ کیجئے تو تمام دو سو اشخاص نے وہ کھانا تناول کیا۔ بڑے اطمینان سے تناول کیا اور کسی قسم کی کمی کا احساس تک نہیں ہوا۔

یہ سب مطعومات نفیس عمدہ مطاعم پر مشتمل تھے جو ضرب المثل وخیر الخیر ما یتخیر (بہترین چیز وہ ہے جو سب کے دل پسند ہو) کے مصداق تھے اور سب مہمانوں نے خوب مزے سے یہ کھانا تناول کیا۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ تقریباً پینتیس ۳۵ سال کا عرصہ ہوا حضرت عارف کامل بمبئی تشریف لے گئے۔ یہ سفر آپ کے لطیف و نحیف جسم کے لحاظ سے بہت طویل سفر تھا۔ وہاں تقریباً ایک ہفتہ قیام فرمایا گیا۔ اس شہر میں جس فرودگاہ پر آپ کا قیام ہوا اس کے مالک آپ کے بہت صادق مرید تھے۔ امراء بمبئی میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کے وہ میزبان تھے۔ بمبئی شہر سے بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور بمبئی میں آپ کا فیض گلبار ہوا۔ آپ کے میزبان کاروباری نقطۂ نگاہ سے اپنے اقران و امثال میں محسود بھی تھے اور ان سے ان لوگوں کو دنیوی رقابت کی وجہ سے خصومت بھی تھی، چنانچہ ان کو قتل کرنے کے درپے تھے۔

ایک دن حضرت عارف کامل قیام بمبئی کے دوران اپنے میزبان کے ساتھ لینڈ

گھوڑا گاڑی میں سیر کے لیے تشریف فرما ہوئے کہ میزبان کے دشمنوں نے میزبان پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لیے مسلح آدمی لینڈو گاڑی کے قریب پہنچا دیئے جو کہ میزبان مذکور کی تلاش میں تشنہ تھے۔ گاڑی میں انہوں نے جھانکا تو گاڑی میں صرف پیر صاحب بٹالہ شریف (حضرت عارف کاملؒ) ہی نظر آئے اور کوئی آدمی نظر نہیں آیا حالانکہ میزبان مذکور تو وہاں گاڑی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ حملہ آوری کا مقصد وہ لوگ پورا نہ کر سکے۔ یہ کرامت حضرت عارف کاملؒ کی تمام شہر میں مشہور ہو گئی۔ آپ کی توجہ روحانی سے گاڑی میں آپ کی ذات جمیلہ صفات مرکزِ نگاہ بن گئی اور آپ کے ماسوا کو آپ کی صورت میں ایسا مخفی کر دیا گیا کہ گویا وہاں آپ کی صورت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

ایک واقعہ ہے کہ بنوں کے علاقہ کے ایک باتھور افغان کی بٹالہ ضلع گورداسپور میں بطور علاقہ مجسٹریٹ تعیناتی ہو گئی۔ خانصاحب موصوف کا بٹالہ سے تبادلہ اور مختلف مقامات پر تعیناتی ہوتی رہی تھی اور بالآخر ان کو نواب کا خطاب حکومت برطانیہ نے دیا تھا۔ بٹالہ میں عید کی تقریب قریب آنے پر خانصاحب موصوف نے تجویز کی کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی عید گاہ میں نماز ادا کرنی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے علماء شہر کو اس تجویز پر عمل کرنے کے لیے مائل کر لیا۔ حضرت عارف کاملؒ کی خدمت میں بھی خانصاحب گئے اور عرض کیا کہ آپ اس دفعہ اپنی عید گاہ کی بجائے باہر کھلے میدان میں عید ادا فرمائیں تو شوکت اسلام کی بہار سے اس علاقہ کے مسلمانوں کا نخل وقار ترو تازہ ہو جائے گا۔ آپ نے تجویز قبول فرمائی اور عید کے دن بٹالہ میں ایک میدان میں بٹالہ اور اطراف واکناف کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے تاکہ نماز عید ادا کی جائے۔ خانصاحب موصوف نے وہاں تمام علمائے کرام سے کہا کہ آپ سب کس شخص کی امامت میں یہ نماز عید ادا کر سکتے ہیں حنفی، شیعہ، اہل حدیث، سب نے بیک آواز کہا کہ حضرت میاں صاحب (یعنی حضرت عارف کاملؒ) ہی ایسی شخصیت ہیں کہ ہم سب کو ان کی امامت میں نماز ادا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں

ہوگا۔ چنانچہ یہ واقعہ نوادر سے ہے کہ واقعی حضرت عارف کاملؒ نے عید مذکور کی نماز کی امامت فرمائی اور ہر طبقہ کے مسلمانوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ یہ واقعہ بھی آپ کی کرامات میں شمار ہوتا ہے۔

آپ کی ایک یہ کرامت بھی مشہور ہے کہ بٹالہ شریف میں ایک بڑے ملنسار خلیق عالم تھے جن کو آپ سے نہایت عقیدت تھی۔ وہ ایک دفعہ شدید علیل ہو گئے اور شفا سے قطعی مایوسی ہو گئی تو آپ عیادت کے لیے ان مولوی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب کو آپ کی تشریف آوری سے بڑا سکون ملا اور چند منٹ آپؒ وہاں ٹھہرے اور دعا فرمائی۔ جب آپ وہاں سے واپس تشریف لے گئے تو مولوی صاحب نے اپنے تیمار داروں سے کہا کہ مجھے شفایابی کا احساس ہونے لگا ہے۔ میری صحت درست ہو رہی ہے اور اب مجھے کامل امید ہے کہ حضرت صاحبؒ کی دعا میرے لیے باعثِ رحمت ہو جائے گی۔ چنانچہ چند دنوں میں وہ صحت یاب ہو گئے۔

میں نے اوائل عمر ہی سے حضرت عارف کاملؒ کی رفاقت وخدمت کو اپنی سرشت و فطرت بنا لیا تھا۔ میری عمر انیس سال تھی۔ حضرت موصوف نے مجھے اپنے دستِ مبارک پر بیعت فرما کر مجھے سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں داخل ہونے کی سعادت عظمیٰ عنایت فرمائی تھی، اور اس وقت میرے قلب و روح کی یہ حالت تھی ؎

دردؔ اپنی طرف سے حاضر ہے آگے پھر ہے تمہارے ہاتھ نباہ

چنانچہ میں نے اس وقت سے لے کر حضرت عارف کاملؒ کی وفات (۱۸ ستمبر ۱۹۶۱ء) ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ تک اس ہی جذبۂ اتصال کی وجہ سے جذبۂ حضوری کو تر و تازہ رکھا اور اب بھی یجبھم و یحبونہ کے شیون کے کمال کی فضا قائم ہے اور میثاق اخلاص حب ذاتی کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ یہی عزت میرے لیے کافی ہے کہ حضرت عارف کاملؒ میرے مرشد ہیں اور میرے لیے یہی فخر کافی ہے کہ میں اُن کا

حلقہ بگوش ہوں ؎

جز دلم کو از ازل تا بابد عاشق اوست   جا وداں کس نشنیدیم کہ دریں کار بماند

(میرے دل کے سوا کون ہے جو ازل سے ابد تک اس کا عاشق ہے۔ مَیں نے کسی کو نہیں سُنا جو کہ ہمیشہ میرے سوا اس کی محبت میں ہی رہا ہو)

دربار عالیہ کی نہضت و فروغ کے لیے مضامین کی تصنیف و تالیف کے علاوہ کئی ہزار خطوط و مراسلے اور دستاویزات بزبان عربی و فارسی و اردو اور انگریزی میں نے حضرت عارف کاملؒ کی طرف سے مرتب کیے۔ اس کے علاوہ آل انڈیا کانگرس کی تردید میں مسلسل جد وجہد کرتے ہوئے مَیں نے رسائل تصنیف کر کے حضرت موصوفؒ کی خدمت میں پیش کئے جو کہ اس وقت کے مشائخ عظام نے نہایت پسند فرمائے تھے اور حضرت عارف کاملؒ نے بہت ہی تحسین فرمائی۔ یہ سب کچھ حضرت موصوفؒ کی خاص توجہ کا اثر تھا۔ حضرت عارف کاملؒ نے بسا اوقات پھر ایسی خارزار مہمات پر مامور فرمایا جو کہ محض آپ کی توجہات کاملہ سے ہی گلزار ہوگئیں، اور ان توجہات کے بغیر منزلِ مقصود پر پہنچنا ہی محال تھا ؎

کیا کرے عشق اگر حسن ہی سبقت نہ کرے

حسنِ التفات توجہات نے کمال سبقت فرمائی۔ مثلاً ایک دفعہ ایک ایسے علاقہ میں اہل السنّت والجماعت کے خلاف فتنہ برپا ہوگیا۔ جہاں کہ دربار عالیہ کے عقیدت مندان بکثرت تھے۔ اس علاقہ میں مجھے بھیجا گیا تاکہ استیصالِ فتنہ کی صورت پیدا کی جائے مَیں مبلغین کی ایک جماعت کو لے کر وہاں پہنچا اور بغیر کسی قسم کی مشقت و مناقشہ کے فتنہ دُور ہوگیا۔

ایک دفعہ بٹالہ شریف میں لاہور کے آریہ سماج نے بہت بڑا اجتماع منعقد کیا اور اس میں صداقت قرآن حکیم پر مناظرہ کرنے کے لیے علمائے دین کو دعوت دی۔ پنجاب سے ہر مکتب فکر کے علمائے دین بٹالہ شریف پہنچ گئے اور انہوں نے حضرت عارف کاملؒ

سے استدعا کی کہ مسلمانوں کی جماعت مناظرہ کی صدارت آپ قبول فرمائیں۔ حضرت موصوف ان دنوں علیل تھے اور فرمایا کہ میں اپنی شمولیت کی نہایت مناسب صورت پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میرا بیٹا میاں بدر محی الدین میری نمائندگی کرے گا۔ اس وقت میری عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ چنانچہ میرے اتالیق (مولوی صاحب) اور ایک جماعت علماء کے ہمراہ مجھے جلسہ مذکور میں بھیجا گیا اور مجھے اس جلسہ میں مسلمانوں کی جماعت کا صدر بنایا گیا۔ ہزاروں لوگ مسلم اور غیر مسلم وہاں جمع تھے۔ آریہ سماج کی طرف سے ان کا ایک لیڈر لاہور سے آیا ہوا تھا۔ وہ اس جلسہ میں ان کا صدر تھا۔ اس معرکہ میں اسلام کے علماء کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس واقعہ کو بھی حضرت عارف کامل رح کی کرامت تصور کیا گیا تھا۔

حضرت عارف کامل رح نے اپنی زندگی میں کئی لاکھ حاجتمندوں کو تعویذات عنایت فرمائے۔ آپ کی جناب سے لاکھوں کے لیے دعائیں کی گئیں۔ آپ کی طفیل ہزاروں کو روحانی کمالات سے محظوظیت ملی۔

ایک حدیث نبوی ؐ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مدارج و درجات کے تنوع کی حقیقت سمجھنے کے لیے سونے چاندی کی کانوں کا امتیاز ذہن میں رہنا چاہیئے۔ کانیں مختلف انواع کی ہوتی ہیں۔ اسی طرح لوگ بھی مختلف الاقدار ہیں۔ الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ (حدیث شریف) حضرت عارف کامل رح کے تربیت یافتہ منسلکین سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے کئی لوگ روحانی اعتبار سے طلائی درجات پا گئے۔

مریدین سلسلہ قادریہ فاضلیہ میں سے جن روحانی درجات کے لیے صلاحیت موجود تھی آپ کی نظر فیض اثر نے ان کو حسب قوت استفادہ، نوازش ہائے بیکراں سے نوازا۔ حضرت عارف کامل رح ہی کی چشم کرم نے مریدین سلسلہ عالیہ سے حدیث نبوی ان اللہ عبادا خلقھم لحوائج الناس کا مصداق عباد بنا دیا۔ حدیث شریف کا مضمون یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے بعض وہ شخصیات ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے کام کرنے کے لیے پیدا کیا ہوتا

ہے۔ چنانچہ پیرؔ صفوت سیدؔ آفتاب حسین قادری فاضلی (منڈی شریف کوٹلی آزاد کشمیر) حضرت عارف کاملؒ ہی کے لطف وکرم کا مہبط ہیں۔ اور ان کو صغر سنی ہی میں آپ کے انوار کرم نے مستفیض فرما دیا تھا۔ چنانچہ اُن کا دل سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے عشق سے لبریز ہے اس دل میں کسی اور محبت کے لیے گنجائش ہی نہیں ہے اور عربی شاعر ادیب کا یہ شعر ان کی حالت پر نہایت مطابقت سے صادق آتا ہے ؎

شققت القلب ثم وردت فیہ هواك فلیم فالتام الفطور

(تُو نے میرے دل کو چیرا پھر اس میں تُو نے اپنی محبت کو پھیلا دیا پھر اس زخم کو درست کر دیا گیا۔ لہٰذا اب تیرے سوا کسی کی محبت اس دل جاگزیں نہیں ہو سکتی اور تیری محبت اس دل سے باہر نہیں نکل سکتی) ارشاد الہٰی تعزروہ وتوقروہ کو انہوں نے اپنا سُرمۂ چشم بنا رکھا ہے۔ یعنی دربار قادریہ فاضلیہ کی توقیرِ عشق تائید ذاتی وصفاتی میں سرشار ہیں۔

ان روحانی شخصیات میں سے سائیں رحمت اللہ (تغمدہ اللہ برحمتہ) کا بھی شمار ہوتا ہے۔ گجرات کے متوطن تھے۔ اور اسی ضلع میں ان کا مزار ہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ پشاور میں بسر ہُوا۔ حضرت عارف کاملؒ نے ان پر عنایاتِ روحانی کی نور افشانی فرمائی۔

ان ہی مردانِ خدا سے پیر سیّد غلام جیلانی (تغمدہ اللہ برحمتہ) ہیں۔ ان کا مزار پیر محل ضلع لائل پور کے علاقہ میں ہے اور یہ بھی حضرت عارف کاملؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ اور انہوں نے جب حضرت ممدوحؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تو آپ نے پیر سید غلام جیلانی مرحوم کی تلطف و تفضل سے دستگیری فرمائی۔

ان کے علاوہ بھی متعدد اربابِ محبت وخلّت حضرت عارف کاملؒ نے درجاتِ معنوی و باطنی کے اعتبار سے اپنی التفاتِ کرم کا مورد بنا دیا۔ آغا سید عنایت علی ضیا جعفری قادری فاضلی پشاور میں ہیں وہ بھی حضرت عارف کاملؒ کے تربیت یافتہ ہیں جو دل اور زبان سے حضرت عارف کاملؒ کے رُوحانی احسانات کی وجہ سے سراپا سپاس گزار ہیں۔

میں نے یہ حقائق کرامات کے ذیل میں اس لیے درج کیے ہیں کہ کرامات کا عنوان ہی ان کے لیے صحیح عنوان ہے۔ اب قرطاس کو غیر مکمل ہی چھوڑوں گا کیونکہ اس ذکر کی تکمیل کرنا کسی ایسے شخص کا کام ہے جس کو اس کمال میں نہایت فراخ دامن حاصل ہو مگر مجھ ایسے ناقص اور ہیچ بلکہ کمتر از ہیچ کے لیے جس کی یہ حالت ہے ؎

من کیستم اندر چہ شمارم چہ کسم

یہی مناسب ہے کہ اپنی کم سوادی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اس مضمون کو ختم کر دوں۔ میں نے تو اس قرطاس التعارف کی تحریر سے محض اپنا جذبہ چاکری ادا کرنے کی کوشش کی ہے ؎

جہانِ عشق نہ میری نہ سروری داند ہمیں بس است کہ آئینِ چاکری داند

حضرت عارف کامل رح اپنی زندگی میں بھی سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے استحکام کے لیے غیر متناہی مساعی فرماتے رہے اور وفات کے بعد بھی آپ کی وہ توجہات متواتر سرگرم عمل ہیں چنانچہ مجھے اکثر اوقات علماء، صوفیاء اور صادق محبان ملے ہیں جنہوں نے اپنے خوابوں کے مضامین ذکر کیے۔ جن کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت عارف کامل رح ان کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اپنے مقاصد و مطالب کے لیے فاضلیہ کالونی میں دربار قادریہ فاضلیہ کی طرف رجوع کیا کریں کیونکہ یہ ہمارا مرکز ہے اور ہماری توجہات اس ہی نظام و سلسلہ طریقت کی نگہداری کے لیے مامور ہیں۔ حضرت عارف کامل رح کا اخلاص توجہات آپ کے سلف صالحین سلسلہ کے اخلاص توجہات میں مجتمع ہے۔ ارشادِ الٰہی ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفا میں متفکرین محققین نے جو معارف موجزن دیکھے ہیں۔ ان کے پیش نظر طریقت کے بانی اور امام کی توجہات ان عارفین سلسلہ سے ہر وقت مقرون اور متصل رہتی ہیں وہ ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ حضرت عارف کامل رح کی ہمت آپ کے سلف صالحین کی ہمت کی عکاسی کرتی ہے۔

حکمائے تصوف وعرفان نے ہمت کو اللہ تعالیٰ کا نور قرار دیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ عارفین کو جس وقت عنایت فرما دیتے ہیں تو ان عارفین پر اللہ کریم کی صفات سریع مجیب کی تجلیات ضوفگن ہو جاتی ہیں۔ ان صفات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان عارفین کو ان کے مقاصد نہایت جلدی حاصل ہو جاتے ہیں۔

محققین صوفیہ نے ہمت کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمت کے نور کے دو عمل ہیں۔ ایک تو حالیہ ہے یعنی اس نور کی وجہ سے صاحبِ ہمت اپنی منزلِ مقصود کا تعین کر لیتا ہے اور دوسرا عمل ہمت کا یہ ہے کہ صاحبِ ہمت اپنے مقصود کو کامل یقین سے دیکھ لیتا ہے اس کو نہایت مضبوط یقین اپنے مقصود کے پا لینے کا مل جاتا ہے۔

جب حضراتِ سلفِ صالحین سلسلہ قادریہ فاضلیہ کے حالات کسی پر مکشوف ہو جائیں تو ان حضرات (رضوان اللہ علیہم) کا ہمت کے نور سے مشرف ہونا متحقق ہو جاتا ہے۔ ان کی ہمت نے ان کے لیے منزل مقصود متعین کر دیا۔ اس ہی منزلِ مقصود کو اس خاندان اور سلسلہ عالیہ کی قدیمی روایات کہا جاتا ہے۔ وہ منزلِ مقصود یہ ہے کہ سیدنا غوث اعظم السید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینۃ العلم کے انوار باب سیدنا علی علیہ السلام میں داخل ہو کر گئے اور ان انوارِ عرفان کی شعاعوں کی اشاعتِ فیضان کے لیے طریقتِ قادریہ کا وجود قائم فرما دیا اور حضراتِ سلفِ صالحین سلسلہ قادریہ فاضلیہ بٹالہ شریف نے اس طریقتِ قادریہ کی تائیدات کو اپنا منزل مقصود تعین کر لیا اور اس منزل کو پا لینے کا یقینِ کامل ہر وقت مشاہدہ کرنا ان کے نورِ ہمت کا حاصل ہے ؎

یارب مدام ایں درِ عرفاں کشادہ باد

احقر العباد :۔ سید بدر محی الدین قادری

سجادہ نشین دربار قادریہ فاضلیہ (بٹالہ شریف) لاہور

۷۔ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۶۰ء